مسیحی نظریات

پر

تبصرہ

از

افاضات

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

بسم اللہ الرحمان الرحیم

(عیسائی) عقیدہ یہ (ہے) کہ انسان بھلائی کو لے کر پیدا ہوا مگر آدم اول نے گناہ کیا اس لئے سب انسان گناہ پر مجبور ہیں۔ اگر یہ لوگ دہریہ ہوتے تو ہم ان سے اور رنگ میں گفتگو کرتے لیکن یہ لوگ ایک مذہب کو ماننے والے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ خود ان کا اپنا مذہب اس عقیدہ کو رد کرتا ہے۔ پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ عقیدہ درست ہے کہ آدم اول نے گناہ کیا جس کے نتیجہ میں اب ورثہ کا گناہ انسان کے اندر آ گیا ہے اور وہ اس سے بلا کسی اور امداد کے آزاد نہیں ہوسکتا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کی تمام مخلوق نجات سے محروم ہونی چاہیئے۔ کیونکہ کفارہ تو مسیحؑ نے پیش کیا ہے مسیحؑ کے کفارہ پر ایمان لانے والے تو نجات پا سکتے ہیں مگر پہلے لوگوں کی نجات اس عقیدہ کی رو سے قطعی طور پر ناممکن ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا فطرت کی اس اصلاح یعنی کفارہ مسیحؑ سے پہلے سب لوگ گناہگار اور غیر ناجی تھے؟ اس کا جواب خود بائیبل دیتی ہے کہ وہ آدم کو لعنتی قرار نہیں دیتی بلکہ شیطان سے دھوکہ کھانے کے بعد بھی خدا اس پر راضی رہتا ہے۔ چنانچہ بائیبل میں لکھا ہے کہ جب آدم نے گناہ کیا اور اس کے نتیجہ میں وہ ننگا ہو گیا تو ”خداوند خدا نے آدم اور اس کی جورو کے واسطے چمڑے کے کرتے بنا کے ان کو پہنائے“ (پیدائش باب ۳ آیت ۲۱) اگر آدم سے خدا ناراض ہو چکا تھا اور اسے اپنی روحانی اولاد سے وہ خارج کر چکا تھا۔ تو چاہیئے تھا کہ اس واقعہ کے بعد آدم پر ناراضگی کا اظہار ہوتا۔ نہ یہ کہ اسے اور اس کی بیوی کو چمڑے کے کپڑے بنوا کر دیتا اور اُن کے ننگ کو ڈھانکتا۔ اللہ تعالیٰ کا آدم اور اس کی بیوی کو اس واقعہ کے بعد چمڑے کے کپڑے بنوا کر دینا بتا رہا ہے کہ خدا تعالیٰ اس واقعہ کے بعد بھی آدم سے راضی رہا۔ پھر لکھا ہے۔ فرشتوں سے خدا نے کہا ”دیکھو کہ انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں

سے ایک کی مانند ہو گیا'' (پیدائش باب ۳ آیت ۲۲) یعنی نیکی اور بدی کی پہچان میں آدم خدا اور اس کے فرشتوں جیسا ہو گیا ہے جو شخص نیکی اور بدی کی پہچان میں خدا اور اس کے فرشتوں جیسا ہو جائے وہ لعنتی کس طرح ہو سکتا ہے یہ تو ایک اعلیٰ درجے کا مقام ہے جو آدم کو حاصل ہوا۔

آدمؑ کے بعد حنوکؑ آئے جو حضرت نوح کے پردادا تھے ان کے بارہ میں لکھا ہے ''حنوک کی ساری عمر تین سو پینسٹھ برس کی ہوئی اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور غائب ہو گیا اس لئے خدا نے اسے لے لیا'' (پیدائش باب ۵ آیت ۲۴) اس آیت کا خلاصہ بائیبل میں اس طرح درج کیا گیا ہے:۔

''حنوک کی دینداری اور اس کے جیتے جی خدا کے حضور چلے جانے کی خبر'' یہ حوالہ ظاہر کر رہا ہے کہ حنوک اللہ تعالیٰ کا اس قدر پیارا تھا کہ خدا نے اسے اور لوگوں کی طرح موت جسمانی نہیں دی بلکہ جیتے جی اسے آسمان پر اٹھا لے گیا۔ حالانکہ عیسائی عقیدہ کی رو سے آدم کو گناہ کی جو سزا دی گئی تھی اس کی ایک شق یہ بھی تھی کہ وہ دنیا میں ہمیشہ زندہ نہیں رہے گا۔ بلکہ ایک دن موت کا شکار ہو جائے گا۔ چنانچہ پیدائش باب ۳ آیت ۱۹ میں اس سزا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ''تو خاک ہے اور پھر خاک میں جائے گا'' گویا عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آدم کے گناہ کے نتیجہ میں انسان کو موت کی سزا دی گئی ہے اسی طرح اسے زمین پر رہنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ اگر آدم گناہ نہ کرتا تو انسان ہمیشہ کے لئے زندہ رہتا اور زمین پر رہنے پر مجبور نہ ہوتا۔ مگر اوپر کے حوالہ میں بتایا گیا ہے کہ حنوکؑ کو خدا نے موت نہیں دی بلکہ اسے زندہ ہونے کی حالت میں آسمان پر اٹھا لیا۔ اگر اس حوالہ میں صرف حنوکؑ کی دینداری کا ذکر ہوتا۔ یہ بات بیان نہ کی جاتی کہ خدا نے اسے موت سے بچایا اور جیتے جی

آسمان پر اٹھالیا تب بھی یہ اس بات کا ثبوت ہوتا کہ مسیح کی آمد یا اس کے کفارہ پر ایمان لانے کے بغیر بھی لوگ نیک ہو سکتے ہیں۔مگر اس حوالہ سے یہ زائد بات بھی نکلتی ہے کہ حنوک موت سے بچ گیا اور آسمان پر زندہ اٹھالیا گیا۔حالانکہ موت اور زمین پر رہنا ایک سزا تھا آدم کے گناہ کی ۔پس جسے موت نہیں آئی اور آسمان پر چلا گیا اس کے متعلق بہرحال یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس نے ورثہ کے گناہ سے کوئی حصہ نہیں پایا۔اگر پایا ہوتا تو عیسائی عقیدہ کی رو سے وہ ضرور مرتا۔مگر چونکہ وہ زندہ رہا اور جیتے جی آسمان پر اٹھالیا گیا اس لئے یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ اس نے ورثہ کے گناہ سے حصہ نہیں لیا۔پھر ساتھ ہی لکھا ہے ’’حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا‘‘ خدا کے ساتھ ساتھ چلنے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی زندگی صرف خدا کے کام میں مصروف تھی کسی اور طرف اس کی توجہ نہیں تھی ۔اور جس شخص کی زندگی صرف خدا کے کام میں صرف ہورہی ہو اور دن اور رات اسے یہی فکر ہو کہ میں ان فرائض کو بجالاؤں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر عائد کئے گئے ہیں وہ اس رنگ میں اپنی معاش کا سامان نہیں کر سکتا جس رنگ میں دوسرے لوگ جدوجہد کرتے اور اپنی روزی کا فکر کرتے ہیں ۔بالفاظ دیگر خدا کے ساتھ ساتھ چلنے کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اسے رزق بلامحنت ملتا تھا۔گویا وہ دوسری سزا بھی اسے نہیں ملی جو آدم کے گناہ کی وجہ سے مقرر ہوئی تھی اور جس کا ذکر بائبل میں ان الفاظ میں پایا جاتا ہے کہ

’’تو اپنے مونہہ کے پسینہ کی روٹی کھائے گا جب تک کہ زمین میں پھر نہ جاوے کہ تو اس سے نکالا گیا ہے کہ تو خاک ہے اور پھر خاک میں جائے گا‘‘ (پیدائش باب ۳ آیت ۱۹)

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ آدم کو دو سزائیں دی گئی تھیں ایک یہ کہ وہ ہمیشہ اپنے

ماتھے کے پسینہ سے روٹی کھائے گا اور دوسرے یہ کہ وہ اس دنیا میں ہمیشہ زندہ نہیں رہے گا بلکہ ایک دن آئے گا جب اسے موت کا تلخ گھونٹ پینا پڑے گا۔مگر حنوکؑ کو نہ موت کا تلخ گھونٹ پینا پڑا اور نہ ماتھے کے پسینہ سے اپنے لئے روزی کا سامان مہیا کرنا پڑا وہ جیتے جی بغیر مرنے کے آسمان پر غائب ہوگیا اور پھر وہ ہمیشہ خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔گویا اسے رزق بلا محنت ملتا رہا۔اس سے ظاہر ہے کہ عیسائی مذہب کے رو سے حنوکؑ ورثہ کے گناہ اور اس کے اثرات سے قطعی طور پر محفوظ تھا۔اگر ورثہ کا گناہ حنوکؑ میں بھی آتا تو ضروری تھا کہ وہ مرکر زمین میں دفن ہوتا اور ضروری تھا کہ وہ ماتھے کے پسینہ سے اپنے لئے روٹی مہیا کرتا۔ مگر اس کا نہ مرنا اور نہ ماتھے کے پسینہ سے روٹی کھانا بتارہا ہے کہ حنوکؑ عیسائی مذہب کے رو سے بالکل پاک تھا۔

اس کے بعد نوحؑ آئے ان کی نسبت لکھا ہے کہ لمکؑ نے اپنے بیٹے کا نام نوحؑ رکھا اور کہا کہ ’’یہ ہمارے ہاتھوں کی محنت اور مشقت سے جو زمین کے سبب سے ہیں جس پر خدا نے لعنت کی ہے ہمیں آرام دے گا‘‘(پیدائش باب ۵ آیت ۲۹) یعنی آدم کے گناہ کی وجہ سے جو زمین پر لعنت ڈالی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ انسان ہمیشہ محنت اور مشقت سے اپنے لئے روزی کمائے گا وہ لعنت نوحؑ کی وجہ سے دور ہو جائے گی۔

یہ امر بتایا جا چکا ہے کہ آدمؑ کے گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو سزائیں ملی تھیں۔ایک یہ کہ انسان محنت و مشقت سے روزی کمائے گا اور دوسری یہ کہ وہ ایک دن مر کر زمین میں دفن ہوگا۔لمکؑ نے اپنے بیٹے کا نام نوحؑ رکھا اور اس لئے رکھا کہ ’’یہ ہمارے ہاتھوں کی محنت اور مشقت سے جو زمین کے سبب سے ہیں جس پر خدا نے لعنت کی ہے ہمیں آرام دے گا‘‘ گویا انہوں نے امید ظاہر کی کہ نوحؑ کی وجہ سے وہ محنت اور مشقت سے آزاد

ہو جائیں گے اور انہیں آرام میسر آجائے گا۔جس کے معنے یہ ہیں کہ نوحؑ نے اس لعنت کو آ کر دور کر دیا۔اگر کہا جائے کہ انہوں نے یونہی بلا وجہ ایک امید ظاہر کر دی تھی تو سوال یہ ہے کہ بائیبل نے اس کو نقل کیوں کیا؟ بائیبل کا اسے نقل کرنا بتا رہا ہے کہ انہوں نے خدا کے حکم کے ماتحت یہ امید ظاہر کی تھی اور یہ توقع وہ تھی جسے نوحؑ نے اپنی زندگی میں پورا کرنا تھا اور اس طرح انہوں نے اس لعنت کو دور کر دینا تھا جو آدم کے گناہ کی وجہ سے زمین پر مسلط تھی۔

پھر نوحؑ کے بارہ میں لکھا ہے:۔ ’’نوحؑ اپنے قرنوں میں صادق اور کامل تھا اور نوحؑ خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا‘‘(پیدائش باب ٦ آیت ٩) جو شخص صادق اور کامل تھا وہ گنہگار کس طرح ہو گیا؟ پھر نوحؑ وہ شخص تھا جو خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا جس کے معنے یہ ہیں کہ وہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کام کرتا تھا۔اب بتاؤ جو شخص صادق بھی ہو اور کامل بھی اور پھر خدا کی مرضی کے خلاف کبھی کوئی فعل بھی نہ کرتا ہو اسے گناہگار کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟ پھر نوحؑ سے خدا تعالیٰ نے کہا’’میں تجھ سے اپنا عہد قائم کروں گا‘‘ (پیدائش باب ٦ آیت ١٨) جس شخص کو خدا اپنے عہد کے لئے منتخب فرمائے اسے غیر نجات یافتہ کس طرح کہا جا سکتا ہے؟

پھر لکھا ہے نوحؑ نے خدا کے لئے ایک مذبح بنایا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جب نوح نے عبادت کی تو’’ خداوند نے خوشنودی کی بو سونگھی اور خداوند نے اپنے دل میں کہا کہ انسان کے لئے میں زمین کو پھر کبھی لعنت نہ کروں گا‘‘(پیدائش باب ٨ آیت ٢١) گویا نوحؑ کی عبادت اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آئی کہ اس نے کہا۔میں زمین پر پھر کبھی لعنت نہیں کروں گا۔اب سوال یہ ہے کہ جب پہلی لعنت نوحؑ نے دور کر دی تو آئندہ

کونسی نئی لعنت پیدا ہوئی جس سے فطرت انسانی مسخ ہوگئی اور جو مسیح نے آ کر دور کی؟

پھر ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے ان کے متعلق بائیبل میں لکھا ہے کہ خدا نے ان کو فرمایا ’’ میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا۔ اور تو ایک برکت ہوگا اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا اور اس کو جو تجھ پر لعنت کرتا ہے لعنتی کروں گا اور دنیا کے سب گھرانے تجھ سے برکت پاویں گے‘‘ (پیدائش باب ۱۲ آیت ۲،۳) اب دیکھو اس میں کتنی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ میں تجھ کو مبارک کروں گا ۔ یہ صاف بات ہے کہ خدا کا مبارک کیا ہوا انسان لعنتی نہیں ہوسکتا۔ دوسرؔی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ تو ایک برکت ہوگا یعنی تو مجسم برکت ہوگا۔ اور تیسرؔی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ نہ صرف تو مبارک ہوگا اور تیری وجہ سے دنیا برکت پائے گی بلکہ جو تجھے برکت دیں گے میں ان کو بھی برکت دوں گا۔ یہی وہ فقرہ ہے جس کے جواب میں رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کو یہ دعا سکھائی کہ **اللھم بارك على محمد وعلیٰ اٰل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم انك حمیدٌ مجیدٌ**۔ یعنی اے خدا! تو نے جو ابراہیم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تجھے برکت دوں گا اور تجھے برکت دینے والوں کو بھی برکت دوں گا ہم تیرے اس وعدہ کے مطابق ابراہیمؑ کو برکت دے رہے ہیں تو ہمارے گھروں کو بھی اپنی برکتوں سے بھر دے اور اپنے فضلوں سے ہمیں حصہ دے۔ گویا ابراہیم کو برکت دینے والے لعنتی نہیں ہو سکتے اور ابراہیمؑ پر لعنت کرنے والے کبھی اللہ تعالیٰ کی برکت سے حصہ نہیں لے سکتے۔ عیسائی کہتے ہیں آدمؑ کے گناہ کی وجہ سے خدا نے دنیا پر لعنت کی اور یہاں سے یہ پتہ لگتا ہے کہ ابراہیمؑ اور اس سے تعلق رکھنے والے کبھی لعنتی نہیں ہو سکتے ہاں ابراہیم کو لعنت کرنے والے ضرور لعنتی

ہیں۔پس وہ عقیدہ جو آج کل عیسائیوں میں پایا جاتا ہے اس حوالہ کی موجودگی میں بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔

پھر ابراہیمؑ کے زمانہ میں ایک اور شخص تھے جن کا نام ملک صدق سالیم تھا۔ان کے متعلق خود انجیل میں لکھا ہے ''وہ پہلے اپنے نام کے معنوں کے موافق راستی کا بادشاہ ہے اور پھر شاہ سالیم یعنی سلامتی کا بادشاہ'' (عبرانیوں باب ۷ آیت ۲) مطلب یہ ہے کہ جیسا اس کا نام تھا ویسے ہی اوصاف اس کے اندر پائے جاتے تھے۔اس کا نام بھی ملک صدق تھا اور واقعہ میں بھی راستی کا بادشاہ تھا اور پھر جس طرح وہ ظاہر میں شاہِ سالیم تھا اسی طرح معنوی لحاظ سے بھی وہ سلامتی کا بادشاہ تھا۔آگے لکھا ہے۔''یہ بے باپ۔بے ماں۔بےنسب نامہ جس کے نہ دنوں کا شروع نہ زندگی کا آخر مگر خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہر کے ہمیشہ کاہن رہتا ہے'' (عبرانیوں باب ۷ آیت ۳) گویا ملک صدق سالیم جو راستی اور سلامتی کا بادشاہ تھا وہ بے باپ بھی تھا اور بے ماں بھی۔نہ اس کی زندگی کا آغاز تھا اور نہ اس کا کوئی انتہاء اور وہ خدا کے بیٹے کے مشابہ تھا۔ایسا شخص تو یقیناً سب سزاؤں سے بچا ہوا تھا۔یہاں کوئی عیسائی کہہ سکتا ہے کہ ملک صدق سالیم نے اس لئے نجات پائی تھی کہ وہ بے باپ اور بے ماں تھا ورثہ کا گناہ اسے حاصل نہ ہوا تھا مگر سوال یہ ہے کہ اگر بے باپ اور بے ماں مصلحین پہلے سے دنیا کو مل چکے تھے تو پھر مسیح کی کیا ضرورت تھی۔تمہارا مسیح کی معصومیت اور اس کی قربانی پر زور دینا اسی لئے ہے کہ تم سمجھتے ہو دنیا کے لئے کوئی ایسا مصلح چاہیئے تھا جو بے گناہ ہو اور چونکہ آدم سے لے کر مسیح تک کوئی بے گناہ مصلح نہیں آیا بلکہ ہر شخص جو پیدا ہوا وہ ورثہ کا گناہ لے کر آیا اس لئے ضروری تھا کہ خدا کا بیٹا جو بے گناہ تھا آتا اور لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا مگر عبرانیوں کا وہ فقرہ جسے اوپر درج کیا گیا ہے بتا رہا ہے کہ مسیح سے پہلے ملک صدق

سالیم آیا اور وہ ایسا شخص تھا جو قطعی طور پر بے گناہ تھا نہ اس کی ماں تھی نہ باپ اور اس طرح ورثہ کے گناہ کا اسمیں کوئی حصہ نہیں تھا۔اسی طرح اسحاقؑ۔ یعقوبؑ۔ یوسفؑ۔موسیٰؑ۔داوٗدؑ سب کی نیکی اور پاکبازی کا اقرار بائیبل میں موجود ہے۔اب سوال یہ ہے کہ مسیحؑ سے پہلے اگر اتنے لوگ کفارۂ مسیحؑ پر ایمان لائے بغیر نجات پا گئے ہیں تو آئندہ کیوں نجات نہیں پا سکتے جس ذریعہ سے پہلوں نے نجات پائی ہے اسی ذریعہ سے بعد کے لوگ بھی نجات پا سکتے ہیں مسیحؑ کی قربانی یا اس کے کفارہ کی کیا ضرورت ہے؟ بہر حال پہلے لوگوں کا نجات پا جانا ثبوت ہے اس بات کا فطرت انسانی کو کوئی گناہ ورثہ میں نہیں پہنچا۔اگر پہنچا ہوتا تو یہ لوگ خدا تعالیٰ کے محبوب اور اس کے مقرب نہ بن سکتے؟

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسیحؑ کی آمد نے کوئی ایسا تغیر پیدا کیا ہے جس سے ہم یہ سمجھ سکیں کہ انسان فطرت کے گناہ سے بچ گیا ہے؟ ظاہر ہے کہ مسیح کے بعد گناہ نے ترقی کی ہے۔شرک نے ترقی کی۔ظلم نے ترقی کی۔جھوٹ فریب اور دغا بازی نے ترقی کی۔اور تو اور عیسائی لوگ ایک دوسرے کے ظلموں کے شاکی ہو رہے ہیں۔پس سوال یہ ہے کہ اگر مسیحؑ کے کفارہ سے واقعہ میں ورثہ کا گناہ معاف ہو گیا تھا تو مسیحؑ کے آنے کے بعد گناہ میں زیادتی کیوں ہوئی؟ عیسائی اس سوال کا ایک فلسفیانہ جواب دیتے ہیں جو ہماری جماعت کے دوستوں کو مدنظر رکھنا چاہیئے وہ کہتے ہیں ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ محض مسیحؑ پر ایمان لانے کی وجہ سے گناہ جاتا رہتا ہے۔بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان کے اندر جو نیک بننے کی خواہش پائی جاتی ہے اگر کفارۂ مسیحؑ پر ایمان لانے کے بعد یہ خواہش انسان کے دل میں پیدا ہو تو وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔وہ کہتے ہیں اگر تم ہمیں کروڑوں عیسائی بھی گناہ گار دکھا دو تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں تم بھی تو یہ نہیں کہتے کہ محمد رسول

اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد ہر شخص کے اندر نیکی پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ تم یہ کہتے ہو کہ انسان کے اندر اس ایمان کی وجہ سے ایک مقدرت پیدا کر دی جاتی ہے جس سے کام لے کر وہ اگر نیک بننا چاہے تو بن سکتا ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں مسیحؑ کے کفارہ سے پہلے کوئی شخص نجات نہیں پا سکتا تھا کیونکہ اس میں ورثہ کے گناہ کا اثر تھا جو اسے ترقی سے روک رہا تھا۔ لیکن مسیحؑ کے کفارہ پر ایمان لانے کے بعد اس کی نجات کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ ہم امکان نجات کے مدعی ہیں اس بات کے مدعی نہیں کہ ہر شخص جو کفارہ مسیحؑ پر ایمان لائے گا وہ خواہ اپنی نیک قوتوں کو استعمال نہ کرے تب بھی نجات پا جائے گا جس طرح آدم نے گناہ کیا تھا اسی طرح اب بھی لوگ گناہ کر سکتے ہیں۔ ہاں اگر وہ اس سے بچنا چاہیں تو بچ بھی سکتے ہیں۔ کیونکہ پچھلا بوجھ اتر گیا ہے اور آئندہ کے لئے ایمان نے ان کے اندر نیکی کی مقدرت پیدا کر دی ہے۔ یہ جواب ہے جو عیسائی لوگ دیا کرتے ہیں۔ اس کے متعلق یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ بائیبل اس بات پر گواہ ہے کہ مسیحؑ کی آمد سے پہلے بھی لوگ گناہ سے بچا کرتے تھے۔ جب پہلے لوگ گناہ سے بچا کرتے تھے تو اب بغیر کفارۂ مسیح پر ایمان لانے کے وہ گناہوں سے کیوں بچ نہیں سکتے اور جبکہ پہلے لوگ بغیر اس کفارہ کے نجات پا گئے اور خدا کے ساتھ ساتھ چلنے والے بنے بلکہ بقول بائیبل بعض موت سے بھی بچے رہے جیسا کہ ایلیاء کے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ''وہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا'' (۲ سلاطین باب۲ آیت۱۲) تو پھر ورثہ کا گناہ کہاں گیا اور جب بعد کے لوگ بھی گناہ میں مبتلا رہے تو پھر کفارہ کا فائدہ کیا ہوا؟ اس کا جواب عیسائی لوگ یہ دیتے ہیں کہ مسیح کی آمد سے پہلے جو لوگ گناہوں سے بچتے تھے وہ اس لئے بچتے تھے کہ مسیحؑ کے کفارہ پر ایمان لے آئے تھے۔ خدا تعالیٰ سے ان کو خبر مل جاتی تھی کہ آئندہ زمانہ میں خدا کا ایک بیٹا آئے گا لوگ اسے صلیب پر

لٹکائیں گے اور وہ دنیا کے گناہوں کے بدلے اپنے آپ کو قربان کردے گا۔ وہ یہ خبر سنتے اور کہتے اٰمنّا و صدقّنا چنانچہ جب ابراہیمؑ نے کہا میں آنے والے مسیح پر ایمان لاتا ہوں تو وہ گناہ سے بچ گیا۔ اس پر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعض پیشگوئیاں بھی بیان کرتے ہیں جوان کے نزدیک حضرت مسیحؑ پر چسپاں ہوتی ہیں۔ اس کا جواب یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اول تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشگوئیاں خود زیر بحث ہیں۔ پھر سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مان لینے سے یہ کیونکر معلوم ہوگیا کہ نوحؑ اور حنوکؑ بھی یہ جانتے تھے کہ آئندہ زمانہ میں خدا کا ایک بیٹا ظاہر ہونے والا ہے؟ یا تو بائیبل میں یہ مسئلہ ان الفاظ میں بیان ہوتا ہے کہ آنے والے خدا کے بیٹے پر ہر نبی ایمان لایا تھا پھر چاہے یہ ذکر نہ ہوتا کہ حنوکؑ مسیح پر ایمان لایا تھا یا نہیں یا نوحؑ مسیح پر ایمان لایا تھا یا نہیں ہم کہتے کہ جب بائیبل نے کہہ دیا ہے کہ ہر نبی خدا کے بیٹے پر ایمان لاتا رہا ہے تو یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ نام بنام ہر نبی کے متعلق یہ ثابت کیا جائے کہ وہ خدا کے بیٹے پر ایمان لاتا تھا۔ مگر بائیبل نے ایک طرف تو ایسا کوئی اصل پیش نہیں کیا اور دوسری طرف اس نے حنوکؑ کا واقعہ تو بیان کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ حنوکؑ خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ مگر اس امر کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ حنوکؑ خدا کے بیٹے پر بھی ایمان لایا تھا۔ اسی طرح آدمؑ کے متعلق یہ تو ذکر ہے کہ وہ خدا کا مقبول رہا مگر بائیبل میں یہ کہیں ذکر نہیں کہ آدم کو خدا نے یہ اطلاع دی تھی کہ میرا بیٹا دنیا میں آنے والا ہے۔ جو لوگوں کے گناہوں کے بدلے پھانسی پائے گا تم اس پر ایمان لے آؤ۔ اسی طرح یسعیاہؑ اور حزقیلؑ وغیرہ انبیاء ہیں جن کی پاکبازی کا تو بائیبل میں ذکر آتا ہے مگر مسیحؑ کے کفارہ پر ایمان لانے کا ان کے متعلق کہیں ذکر نہیں؟ بلکہ اور تو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بھی بائیبل میں یہ کہیں بیان نہیں کیا گیا کہ وہ کفارۂ مسیح پر ایمان لائے

تھے۔اگران کی کوئی پیشگوئی نکل بھی آئے تو اس سے صرف اتنا ثابت ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ خبر دی تھی کہ میرے بعد مسیحؑ آئے گا۔ یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے یہ کہا ہو کہ مسیح لوگوں کو گناہوں کی سزا سے بچانے کے لئے اپنے آپ کو قربان کرے گا اور میں اس کفارہ پر ایمان لاتا ہوں۔ پس بفرض محال اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی پیشگوئی ثابت بھی ہو جائے تو اس سے صرف اتنا پتہ لگے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آمد مسیح کی خبر دی تھی۔اس سے ان کو نجات کس طرح ہوگئی؟ اور وہ گناہ سے بچ کس طرح گئے؟ کفارہ کا مسئلہ جو عیسائیوں کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے اس کی بنیاد اس امر پر نہیں کہ خدا کے بیٹے پر ایمان لایا جائے بلکہ اس کی بنیاد اس امر پر ہے کہ خدا کے بیٹے کے مصلوب ہونے اور اس کے کفارہ ہونے پر ایمان لایا جائے مگر کفارۂ مسیح پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان لانے کا بائیبل سے کہیں ثبوت نہیں ملتا۔

پھر اگر حضرت ابراہیمؑ کی پیشگوئیوں کو لو تو وہ بھی حضرت مسیحؑ پر چسپاں نہیں ہوتیں۔ مجھ سے ایک دفعہ ایک پادری کی گفتگو ہوئی۔ میں نے اس سے کہا۔ پہلے لوگ کس طرح نجات پا گئے تھے؟ کہنے لگا وہ مسیحؑ پر ایمان لاتے تھے۔ میں نے کہا کیا ابراہیمؑ بھی ایمان لائے تھے؟ اس نے کہا ہاں! حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ ’’تیری نسل اپنے دشمنوں کے دروازہ پر قابض ہوگی اور تیری نسل سے زمین کی ساری قومیں برکت پائیں گی‘‘ (پیدائش باب ۲۲ آیت ۱۷، ۱۸) یہ پیشگوئی حضرت مسیحؑ کے متعلق تھی اور انہی کے ذریعہ پوری ہوئی ہے اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ وہ حضرت مسیحؑ پر ایمان لے آئے تھے۔ میں نے کہا اس پیشگوئی میں یہ ذکر ہے کہ آنے والا ابراہیمؑ کی نسل میں سے ہوگا اور تم جانتے ہو کہ اولاد ہمیشہ مرد کے نطفے سے ہوتی ہے اس لئے وہی شخص اس پیشگوئی کا

مصداق سمجھا جا سکتا ہے جو مرد کے نطفہ سے ہو۔اس وقت دنیا میں دو مدعی کھڑے ہیں اور دونوں اس امر کے دعویدار ہیں کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشگوئی کا مصداق ہیں ایک محمد رسول اللہ ﷺ جن کا باپ تھا اور ایک مسیحؑ ہیں جن کا کوئی باپ نہیں تھا۔اب تم خود ہی سمجھ سکتے ہو کہ بائبل کی یہ پیشگوئی ان دونوں میں سے کس پر چسپاں ہوگی آیا اس پر چسپاں ہوگی جس کا کوئی باپ ہی نہیں تھا یا اس پر چسپاں ہوگی جس کا باپ تھا اور جو واقعہ میں ابراہیم کی نسل میں سے تھا۔بائیبل بتا رہی ہے کہ آنے والا ابراہیم کی نسل میں سے ہوگا یعنی وہ مرد کے نطفہ سے پیدا ہوگا جو شخص مرد کے نطفہ سے ہی نہیں وہ ابراہیمؑ کی اولاد میں سے کس طرح سے ہو گیا؟

عیسائیوں کو یہاں سخت مشکل پیش آئی ہے۔وہ ایک طرف یہ بھی چاہتے تھے کہ اس پیشگوئی کو حضرت مسیحؑ پر چسپاں کریں۔اور دوسری طرف یہ بھی دیکھتے تھے کہ حضرت مسیحؑ کا کوئی باپ نہیں تھا جس بنا پر وہ انہیں ابراہیمی نسل میں سے قرار دیں۔آخر اس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ انجیل میں لکھ دیا یوسف نجار مسیحؑ کا باپ تھا اور پھر اس کا نسب نامہ انہوں نے داؤد سے ملا دیا حالانکہ وہ ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مسیحؑ کنواری کے بطن سے پیدا ہوا ۔بہرحال اول تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس پیشگوئی میں کفارۂ مسیحؑ کا کوئی ذکر نہیں نہ اس امر کا کوئی ذکر ہے کہ وہ اس کفارہ پر ایمان لائے تھے صرف ابراہیمؑ کی اولاد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ میں اسے برکت دوں گا۔مگر سوال یہ ہے کہ اس پیشگوئی کو جب ہم کسی شخص پر چسپاں کریں گے تو اس شخص پر کریں گے جس کا کوئی باپ ہی نہیں یا اس شخص پر کریں گے جس کا باپ موجود ہے۔یہ بات ظاہر ہے کہ یہودی عقیدہ کے ماتحت ماں کی طرف سے نسل نہیں چلتی بلکہ باپ کی طرف سے نسل چلتی ہے اس لئے جس شخص کا

باپ موجود ہے وہی اس پیشگوئی کا مصداق ہوسکتا ہے نہ وہ جس کا کوئی باپ ہی نہیں اور جو ابراہیمی نسل میں سے سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔

تیسرا اعتراض ان لوگوں پر یہ ہے کہ مسیحؑ کس طرح پاک ہوا؟ وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ مسیحؑ چونکہ بے باپ پیدا ہوا اس لئے وہ گناہ سے پاک تھا۔اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بے باپ کے پیدا ہونے سے انسان گناہ سے نجات پا جاتا ہے تو ملک صدق سالیم بھی تو بے باپ پیدا ہوا تھا بلکہ اس کی تو ماں بھی نہ تھی۔اس کے متعلق کیوں نہیں کہا جاتا کہ وہ گناہ سے پاک تھا؟ پھر سوال یہ ہے کہ اگر بے باپ پیدا ہونے سے انسان گناہ سے نجات پا تا ہے تو آدمؑ نے گناہ کس طرح کیا جبکہ آدمؑ کا بھی نہ باپ تھا نہ ماں۔بن باپ پیدائش اگر انسان کو پا کیزہ بناتی ہے تو آدمؑ بھی بے گناہ ہونا چاہیئے تھا پھر یہ ورثہ کا گناہ کہاں سے آ گیا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر ایک جسم میں سے نکلنے کی وجہ سے انسان گناہگار بن جاتا ہے تو جیسے باپ کے اندر سے اسے گناہ پہنچتا ہے ویسے ہی اسے ماں سے گناہ پہنچ سکتا ہے؟ اور بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ اصل میں حوّا سے ظاہر ہوا تھا۔چنانچہ پیدائش باب ۳ کا بائیبل کے چھاپنے والوں نے ان الفاظ میں خلاصہ درج کیا ہے۔’’اس بیان میں کہ سانپ حوّا کو فریب دیتا انسان گناہ سے شکستہ حال ہو جاتا۔خدا مرد وعورت دونوں کو اپنے حضور میں بلاتا۔سانپ پر لعنت بھیجی جاتی۔عورت کو خاص نسل کا وعدہ۔انسان کی سزا کا احوال۔ان کی پہلی پوشاک۔ان دونوں کا باغ عدن سے نکالا جانا۔‘‘

پھر خود اس باب میں یوں لکھا ہے:۔’’اور سانپ میدان کے سب جانوروں سے جنہیں خداوند خدا نے بنایا تھا ہوشیار تھا۔اور اس نے عورت سے کہا کیا یہ سچ ہے کہ خدا نے

کہا کہ باغ کے ہر درخت سے نہ کھانا۔عورت نے سانپ سے کہا کہ باغ کے درختوں کا پھل تو ہم کھاتے ہیں مگراس درخت کے پھل کو جو باغ کے بیچوں بیچ ہے خداوند نے کہا کہ تم اس سے نہ کھانا اور نہ اسے چھونا ایسا نہ ہو کہ مر جاؤ۔تب سانپ نے عورت سے کہا کہ تم ہر گز نہ مرو گے بلکہ خدا جانتا ہے کہ جس دن اس سے کھاؤ گے تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی اور تم خدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے ہوؤ گے اور عورت نے جوں دیکھا کہ وہ درخت کھانے میں اچھا اور دیکھنے میں خوشنما اور عقل بخشنے میں خوب ہے تو اس کے پھل میں سے لیا اور کھایا اور اپنے خصم کو بھی دیا اور اس نے کھایا'' (پیدائش باب ۳ آیت ۱ تا ۶)اس حوالہ سے ظاہر کہ شیطان نے پہلے حوا کو ورغلایا اور حوا کے کہنے سے آدم بھی اس غلطی میں شریک ہو گیا چنانچہ جب خدا نے آدم سے کہا کہ'' کیا تو نے اس درخت سے کھایا جس کی بابت میں نے تجھ کو حکم کیا تھا کہ اس سے نہ کھانا'' تو آدم نے جواب دیا حضور اس میں میرا کیا قصور ہے آپ نے جو عورت مجھے دی تھی اور جس کے متعلق کہا تھا کہ یہ تیری ساتھی ہو گی اس نے جب مجھے درخت کا پھل دیا تو میں نے سمجھا کہ یہ خدا کا عطا کیا ہوا ساتھی ہے اس کی دی ہوئی چیز کو میں رد نہ کروں ایسا نہ ہو کہ میں گنہگار بن جاؤں چنانچہ میں نے پھل لیا۔اور کھا لیا بائبل میں لکھا ہے'' آدم نے کہا اس عورت نے جسے تو نے میری ساتھی کر دیا مجھے اس درخت سے دیا اور میں نے کھایا تب خداوند خدا نے عورت سے کہا تو نے یہ کیا کیا۔عورت بولی کہ سانپ نے مجھ کو بہکایا تو میں نے کھایا۔'' (پیدائش باب ۳ آیت ۱۱ تا ۱۳) ان حوالجات سے صاف پتہ لگتا ہے کہ شیطان پہلے حوا کے پاس گیا اور اسے ورغلایا۔اس کے بعد حوا نے آدمؑ کو ورغلایا۔گویا زیادہ گنہگار آدم نہیں بلکہ حوا تھی۔اور اس تحریک پر آدم بھی اس گناہ میں ملوث ہوا۔

اس پادری سے گفتگو کے دوران میں جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے میں نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ شیطان نے پہلے آدم کو ورغلایا تھا یا حوا کو؟ کہنے لگا حوا کو۔ میں نے کہا حوا کو ورغلانے سے شیطان کی کیا غرض تھی؟ اس نے پہلے ہی آدم کو کیوں نہ ورغلا لیا۔ وہ آدم کو چھوڑ کر حوا کے پاس کیوں گیا تھا؟ پادری نے کہا اس لئے کہ حوا جلدی قابو میں آسکتی تھی۔ میں نے کہا تو پھر معلوم ہوا کہ حوا میں گناہ کا مادہ زیادہ تھا اسی وجہ سے وہ پہلے آدمؑ کے پاس نہیں گیا کیونکہ اس نے سمجھا کہ آدم میرے دھوکہ میں جلدی نہیں آسکتا وہ حوا کے پاس گیا اور کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے کہا اب بتاؤ مسیحؑ حوا کا بیٹا تھا یا آدم کا؟ کہنے لگا اس سوال سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ میں نے کہا کچھ مطلب ہو۔ تم یہ بتاؤ مسیحؑ آدم کا بیٹا تھا یا حوا کا؟ کہنے لگا مریم کا بیٹا تھا۔ میں نے کہا اچھا اگر گرم پانی میں سرد پانی ملا دیا جائے تو اس کی گرمی بڑھ جائے گی یا کم ہوگی؟ کہنے لگا کچھ گرم پانی کی گرمی کم ہوگی اور کچھ سرد پانی کی سردی کم ہو جائے گی۔ میں نے کہا اب تو مسئلہ صاف ہو گیا۔ اگر مسیح بن باپ نہ ہوتا تو اسے باپ کی طرف سے اس روحانی طاقت میں سے حصہ ملتا جو آدم میں تھی اور ماں کی طرف سے اسے اس کمزوری میں سے حصہ ملتا جو حوا میں تھی۔ آدم کی طاقت اور حوا کی کمزوری مل کر ورثہ کے گناہ کا اثر کچھ نہ کچھ کم کر دیتی مگر مسیحؑ بن باپ تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے آدم کی طاقت سے حصہ نہیں لیا صرف حوا کی کمزوری سے حصہ لیا ہے اب بتاؤ وہ مسیحؑ جو خالص حوا کی نسل میں سے تھا جس کے متعلق تم تسلیم کرتے ہو کہ وہ آدم کی نسبت زیادہ گناہگار تھی وہ گناہوں سے پاک کس طرح ہو گیا وہ تو اور لوگوں کی نسبت زیادہ گناہگار رہا کیونکہ اس نے خالص حوا کا اثر ورثہ میں لیا ہے؟ کہنے لگا یہ کوئی اصول نہیں کیا مٹی میں سے سونا نہیں نکلتا؟ میں نے کہا اگر مٹی میں سے سونا نکل سکتا ہے تو بات حل ہوگئی جس طرح مٹی میں سے

سونا نکل سکتا ہے اسی طرح آدمؑ کے بیٹے نیک بھی ہو سکتے ہیں کہنے لگا نہیں نہیں سونا تو سونے میں سے نکلتا ہے میں نے کہا تو پھر مسیح ایک عورت کے بطن میں سے پیدا ہو کر پاک کس طرح ہو گیا؟ سونا تو سونے میں سے نکلتا ہے مٹی میں سے نہیں نکلتا۔ اور اگر سونا مٹی میں سے بھی نہیں نکلتا اور سونے میں سے بھی نہیں نکلتا تو وہ نکلتا کس چیز میں سے ہے؟ غرض اگر یہ درست ہے کہ مٹی میں سے سونا نکل سکتا ہے تو گنہگار آدم کی اولاد بھی نیک ہو سکتی ہے اور اگر مٹی میں سے سونا نہیں نکلتا بلکہ سونے میں سے سونا نکلتا ہے تو مسیحؑ ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہو کر پاک نہیں ہو سکتا۔ پس ان دونوں میں سے کوئی صورت لے لو عیسائی مذہب قائم نہیں رہ سکتا۔

تیسرے ہم خود مسیحؑ کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو نیک کہتے ہیں یا نہیں۔ جب اس نکتہ نگاہ سے ہم انجیل کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس میں یہ الفاظ نظر آتے ہیں کہ ”اور دیکھو ایک نے آ کے اس سے کہا۔ اے نیک استاد! میں کونسا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں؟ اس نے اس سے کہا تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے۔ نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ پر اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہے تو حکموں پر عمل کر“ (متی باب ۱۹ آیت ۱۶، ۱۷) گویا مسیحؑ خود کہتا ہے کہ میں نیک نہیں۔ اب بتاؤ جس نے دنیا کو نیکی دینی تھی جب وہ اپنی نیکی کا آپ منکر ہے تو ہم یہ کس طرح تسلیم کر لیں کہ وہ بے گناہ تھا اور دنیا کو گناہوں سے پاک کرنے کے لئے آیا تھا۔ یہ تو وہی مثال بن جاتی ہے کہ مدعی سست اور گواہ چست۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ اگر واقعہ میں مسیح نیک تھا اور واقعہ میں اس کے کفارہ کے ذریعہ دنیا گناہ سے بچ گئی تھی اور اس میں یہ قابلیت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ نیکی اختیار کرے تو پھر ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسیحؑ پیدائش عالم کا آخری نقطہ تھا۔ کیونکہ انسانی پیدائش کی غرض

اس کے آنے سے پوری ہوگئی لیکن جب ہم بائیبل کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ پیدائش عالم کا آخری نقطہ نہیں تھا۔ بلکہ اگر مسیحؑ خدا کا بیٹا تھا تو اس کی اپنی پیشگوئی کے مطابق خود خدا بھی دنیا میں آنے والا تھا چنانچہ مرقس باب ۱۲ میں وہ اس پیشگوئی کو تمثیلی رنگ میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔''ایک شخص نے انگور کا باغ لگایا اوراس کے چاروں طرف گھیرا اور کولھو کی جگہ کھودی اور ایک برج بنایا اور اسے باغبانوں کے سپرد کر کے پردیس چلا گیا۔ پھر موسم میں اس نے ایک نوکر کو باغبانوں کے پاس بھیجا تا کہ وہ باغبانوں سے انگور کے باغ کے پھل میں سے کچھ لے۔انہوں نے اسے پکڑ کر مارا اور خالی ہاتھ بھیجا۔اس نے دوبارہ ایک اور نوکر کو ان کے پاس بھیجا۔انہوں نے اس پر پتھر پھینک کے اس کا سر پھوڑا اور بے حرمت کر کے پھر بھیجا۔ پھر اس نے ایک اور کو بھیجا انہوں نے اسے قتل کیا پھر اور بہتیروں کو ان میں سے بعضوں کو پیٹا اور بعضوں کو مار ڈالا۔اب اس کا ایک ہی بیٹا تھا جو اس کا پیارا تھا۔آخر کو اس نے اسے بھی ان کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ وے میرے بیٹے سے دبیں گے۔لیکن ان باغبانوں نے آپس میں کہا یہ وارث ہے آؤ ہم اسے مار ڈالیں تو میراث ہماری ہو جائے گی اور انہوں نے اسے پکڑ کر قتل کیا اور انگور کے باغ کے باہر پھینک دیا۔ پس باغ کا مالک کیا کہے گا؟ وہ آویگا اور ان باغبانوں کو ہلاک کر کے انگور کا باغ اوروں کو دیگا''مرقس باب ۱۲ آیت ۱تا۹)اس تمثیل میں باغ سے مراد سلسلۂ ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی اصلاح کے لئے قائم کیا۔ باغ بنانیوالا موسیٰؑ تھا جو الٰہی جلال کے اظہار کے لئے آیا۔اور باغبانوں سے مراد بنی اسرائیل تھے جن کے سپرد اس باغ کی حفاظت کا کام کیا گیا۔نوکر جو میوہ کا حصہ لینے کے لئے باغ کے مالک کی طرف سے یکے بعد دیگرے بھیجے گئے اللہ تعالیٰ کے وہ انبیاء تھے جو موسیٰؑ کے بعد پے در پے آتے رہے مگر

لوگوں کا سلوک ان کے ساتھ یہ رہا کہ انہوں نے کسی نبی کو مارا، کسی کو دکھ دیا اور کسی کو بے عزت کیا۔ آخر خدا نے اپنا بیٹا بھیجا جس سے مراد حضرت مسیحؑ خود تھے۔ جو موسیٰؑ کے بعد آنیوالے نبیوں میں سے سب سے زیادہ خدا تعالیٰ کے مقرب اور محبوب تھے مگر لوگوں نے ان کی بھی پروانہ کی اور انہیں صلیب پر چڑھا دیا۔ حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں۔ تم جانتے ہو اب کیا ہوگا۔ باغ کا مالک آئے گا اور ان باغبانوں کو ہلاک کر کے انگور کا باغ اوروں کو دیگا۔ یعنی اب وہ نبی دنیا میں ظاہر ہوگا۔ جس کا آنا خود خدا کا آنا ہوگا۔ جس کا ظہور خدا تعالیٰ کا ظہور ہوگا۔ اور وہ گذشتہ سنت کے خلاف بنی اسرائیل میں سے نہیں ہوگا بلکہ ان کے بھائیوں بنی اسمٰعیل میں سے ہوگا۔

یہ تمثیل واضح کر رہی ہے کہ حضرت مسیحؑ پیدائش عالم کا آخری نقطہ نہیں تھے اگر آخری نقطہ ہوتے تو وہ اپنے بعد ایک ایسے نبی کی بعثت کی خبر نہ دیتے جس کا آنا خود خدا کا آنا تھا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ بیٹا باپ نہیں ہوسکتا۔ پس اس تمثیل میں جس کو باپ کہا گیا ہے وہ یقیناً بیٹے کے علاوہ کوئی اور شخص ہی ہوسکتا ہے اور جب مسیحؑ کے علاوہ ہدایت عالم کے لئے کسی اور شخص کا آنا خود مسیحؑ کی اپنی پیشگوئی کے ماتحت ثابت ہوگیا اور ساتھ ہی یہ امر بھی واضح ہوگیا کہ مسیحؑ کے متعلق یہ خیال درست نہیں کہ وہ پیدائش عالم کا آخری نقطہ تھا۔ اگر مسیحؑ سے نیکی قائم ہو چکی تھی تو پھر مسیح کے سوا کسی اور کے آنے کی کوئی غرض ہی نہیں ہوسکتی مگر جیسا کہ انجیل کے مذکورہ بالا حوالہ سے ظاہر ہے مسیحؑ اگر خدا کا بیٹا تھا تو خود خدا بھی آنے والا تھا۔ اسی طرح حضرت مسیح ایک اور مقام پر کہتے ہیں:۔

''میری اور بہت سے باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روحِ حق آوے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہیں بتادے گی۔ اس

لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی لیکن جو کچھ وہ سنے گی سو کہے گی اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گی۔ وہ میری بزرگی کرے گی اس لئے کہ وہ میری چیزوں سے پاوے گی اور تمہیں دکھاوے گی''

(یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۲۔۱۳)

یہاں حضرت مسیح اقرار کرتے ہیں کہ میرے بعد ایک اور شخص آئے گا جو روحِ حق کہلائے گا اور وہ ایسی تعلیمیں دیگا جو میں نے بھی نہیں دیں۔ یعنی مجھ سے بڑھ کر سچائی کی راہیں دنیا پر روشن کرے گا اور میری تعلیم سے زیادہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم دنیا کے سامنے پیش کرے گا۔ اور پھر ایک مزید بات یہ ہوگی کہ اس کو ایسی کتاب ملے گی جس میں اس کے اپنے الفاظ نہیں ہوں گے بلکہ صرف وہی الفاظ ہوں گے جو خدا نے کہے ہوں گے۔ ''وہ اپنی نہ کہیگی بلکہ جو کچھ وہ سنے گی سو کہیگی'' ان الفاظ کا مفہوم یہی ہے کہ اس کو جو کتاب ملے گی اس کی یہ ممتاز خوبی ہوگی کہ شروع سے لے کر آخر تک وہ اللہ تعالیٰ کے کلام پر مشتمل ہوگی۔ کوئی بات اس میں ایسی نہیں ہوگی جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ یہ انسان کا کلام ہے خدا کا کلام نہیں گویا اول حضرت مسیحؑ اپنے بعد ایک آنیوالے کی خبر دیتے ہیں۔ دوم حضرت مسیحؑ یہ خبر بھی دیتے ہیں کہ وہ آنے والا اپنے ساتھ ایک کتاب بھی لائیگا۔ سوم اس کتاب کی یہ خوبی بتاتے ہیں کہ اس میں انسانی کلام نہیں ہوگا بلکہ ابتداء سے انتہاء تک اس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف خدائی کلام پر مشتمل ہوگا۔ اس پیشگوئی کے مطابق رسول کریم ﷺ دنیا میں مبعوث ہوئے اور آپ نے وہ شریعت لوگوں کے سامنے پیش کی جو اپنی شان اور عظمت کے لحاظ سے تمام الہامی کتب میں یگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ بائیبل کو دیکھا جائے تو جہاں اس میں خدائی کلام نظر آتا ہے وہاں بہت سی انسانی باتیں بھی اس میں دکھائی دیتی ہیں۔ اگر ایک طرف اس میں ان پیشگوئیوں کا ذکر پایا جاتا ہے جو موسیٰ نے کیں تو دوسری طرف ہم اس

میں یہ بھی لکھا پاتے ہیں کہ ''خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق موآب کی سرزمین میں مرگیا اوراس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑا۔ پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کونہیں جانتا'' (استثناء باب ۳۴ آیت ۵۔۶) اب بتاؤ کیا یہ خدا کا کلام ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا کہ موسیٰ مرگیا اور فلاں جگہ گاڑا گیا مگر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کونہیں جانتا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ الفاظ بعد میں لوگوں نے بڑھا دئے تھے۔ جب موسیٰ مر چکے تھے اوران کی موت پر اس قدر عرصہ گذر چکا تھا کہ ان کی قبر کا بھی لوگوں کو علم نہیں رہا تھا کہ وہ کس جگہ تھی ۔اسی طرح متی ۔مرقس اور لوقا وغیرہ میں جہاں خدا کی باتیں ہیں وہاں بندوں کی باتیں بھی ہمیں ان میں صاف طور پر نظر آتی ہیں ۔خود لوقا کہتا ہے'' چونکہ بہتوں نے کمر باندھی کہ ان کاموں کا جو فی الواقعہ ہمارے درمیان انجام ہوئے بیان کریں ۔جس طرح سے انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کی خدمت کرنیوالے تھے ہم سے روایت کی میں نے بھی مناسب جانا کہ سب کو سرے سے صحیح طور پر دریافت کرکے تیرے لئے اے بزرگ تھیوفلس بہ ترتیب لکھوں تا کہ تو ان باتوں کی حقیقت کو جن کی تو نے تعلیم پائی جانے'' (لوقا باب ا آیت ا تا ۴) گویا موجودہ اناجیل کیا ہیں؟ وہ کتب ہیں جو حضرت مسیحؑ کی وفات کے بعد مختلف لوگوں نے مرتب کیں اورانہوں نے مختلف روایات کو ایک ترتیب سے ان میں جمع کردیا۔اس لئے ان کتب میں جہاں ہمیں وہ کلام نظر آتا ہے جو خدا کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے وہاں ایسا کلام بھی ان میں پایا جاتا ہے اوراسی کی کثرت ہے جو کہ بندوں نے اپنی طرف سے شامل کردیا ہے۔

غرض دنیا میں کوئی ایسی الہامی کتاب نہیں جو شروع سے آخر تک صرف وہی باتیں بیان کرتی ہو جو خدا نے کہی ہوں ۔تورات لے لو۔انجیل لے لو۔ژند اور اوستا لے لو۔وید

لے لو ہر کتاب انسانی دست برد کا شکار نظر آئے گی۔ ہر کتاب میں خدائی الہامات کے ساتھ ساتھ بندوں کی اپنی تشریحات کو بھی شامل دیکھو گے۔ مگر قرآن وہ کتاب ہے جو ابتداء سے انتہاء تک ہر قسم کے انسانی الفاظ سے منزّہ ہے۔ ابتداء سے انتہاء تک اس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف اور ایک ایک شعشہ ایسا ہے جو خدا نے محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا۔ پس قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس پر حضرت مسیحؑ کے یہ الفاظ صادق آتے ہیں کہ ''وہ اپنی نہ کہے گی لیکن جو کچھ وہ سنے گی سو کہے گی''۔ پھر اس کے ساتھ ہی حضرت مسیحؑ نے یہ بھی خبر دی تھی کہ وہ کتاب ''تمہیں آئندہ کی خبریں دے گی'' یعنی اس کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا بلکہ قیامت تک چلتا چلا جائے گا۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں آئے گا جس میں لوگ اس کتاب کی ضرورت سے مستغنی ہو جائیں۔ اور پھر یہ کہ ''وہ میری بزرگی کرے گی'' یعنی لوگ مجھے جھوٹا اور لعنتی قرار دیں گے وہ میری بزرگی کا اظہار کرے گا۔ یہودی کہیں گے کہ میں صلیب پر مر کر لعنتی ہو گیا۔ عیسائی کہیں گے کہ میں صلیب پر لٹک کر لوگوں کے گناہوں کے بدلے دوزخ میں چلا گیا۔ مگر وہ کہے گا مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (النساء آیت ۱۵۸) یہ بات غلط ہے کہ لوگوں نے اسے قتل کر دیا تھا یا صلیب پر لٹکا کر اسے لعنتی ثابت کر دیا تھا۔ وہ قتل سے بھی محفوظ رہا تھا اور صلیب سے بھی محفوظ رہا تھا۔ بیشک دوست دشمن نے اسے لعنتی ثابت کرنا چاہا مگر خدا نے اسے عزت دی اور دشمن کو اس کے ارادوں میں ناکام کر دیا۔

آخر میں حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں۔ یہ اس لئے ہوگا کہ ''وہ میری چیزوں سے پاوے گی۔ اور تمہیں دکھا دے گی'' میری چیزوں سے پانے کا یہ مفہوم نہیں کہ وہ مسیح کا متبع ہوگا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسے وہ تعلیم ملے گی جس میں تمام انبیاء کی تعلیمیں شامل ہوں

گی۔نوح کی تعلیم بھی اس میں موجود ہوگی۔ابراہیمؑ کی تعلیم بھی اس میں موجود ہوگی۔موسیٰؑ کی تعلیم بھی اس میں موجود ہوگی اور میری یعنی عیسیٰ کی تعلیم بھی اس میں موجود ہوگی اور اس طرح اس کی تعلیم جامع ہوگی تمام سابق انبیاء کی تعلیمات کی اور پھر وہ کتاب ایسی ہوگی جو ''تمہیں دکھا دے گی''یعنی اس میں صرف زبانی باتیں نہیں ہوں گی بلکہ عملی طور پر وہ تمام سچائیوں کو روشن کر کے دنیا پر ان کو واضح کر دے گی۔ یہ پیشگوئیاں صاف طور پر بتاتی ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے بعد ایک ایسے وجود نے ابھی آنا تھا جو مسیحؑ سے زیادہ کامل ہوتا۔اور پھر مقدر یہ تھا کہ وہ ایک ایسی جامع اور بے مثل کتاب اپنے ساتھ لاتا جس میں تمام سچائیاں جمع ہوتیں۔جس میں شروع سے لے کر آخر تک اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا اور پھر عملی طور پر وہ کتاب تمام سچائیوں کو روشن کرنے والی ہوتی۔اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ نے واقعہ میں ساری دنیا کے گناہ اٹھا لئے تھے اگر دنیا کی نجات کے لئے ان پر ایمان لانا کافی تھا اور اگر انسانی نجات کا آخری نقطہ وہی تھے تو ساری سچائیاں انہیں بتانی چاہئیں تھیں مگر وہ تو کہتے ہیں میں سب سچائیاں نہیں بتا سکتا ان کو میرے بعد آنے والا بتائے گا۔اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ حضرت مسیحؑ ناصری کے نزدیک ان کا اپنا وجود پیدائش عالم کا آخری نقطہ نہیں تھا بلکہ بعد میں آنیوالا ایک اور وجود اس شرف اور عظمت کا مستحق تھا۔

پانچویں اگر حضرت مسیح کفارہ ہوئے ہیں تو ان کا کفارہ ہونا اسی صورت میں تسلیم کیا جا سکتا ہے جب وہ خوشی اور انتہائی بشاشت کے ساتھ کفارہ ہوئے ہوں۔جس شخص کو جبراً صلیب پر لٹکا دیا جائے اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنی خوشی سے لوگوں کے لئے قربان ہوا ہے۔اگر حضرت مسیحؑ واقعہ میں کفارہ ہونے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے تو چاہیئے تھا کہ وہ دوڑ کر صلیب پر چڑھتے اور خوش ہوتے کہ جس غرض کے لئے میں آیا

تھا وہ آج پوری ہو رہی ہے۔مگر بائیبل میں لکھا ہے جب انہیں پتہ لگا کہ صبح مجھے صلیب پر لٹکایا جانے والا ہے تو انہوں نے ساری رات دعائیں کرتے ہوئے گذاردی اور اپنے حواریوں سے بھی بار بار کہا کہ ''جاگو اور دعا مانگو تا کہ امتحان میں نہ پڑو'' حضرت مسیحؑ ایک پہاڑی پر دعائیں کررہے تھے اوران کے حواری نیچے تھے وہ گھبراہٹ کی حالت میں بار بار نیچے آتے اور دیکھتے کہ حواری دعائیں کررہے ہیں یانہیں۔مگر جب بھی آتے ، دیکھتے کہ وہ سو رہے ہیں حضرت مسیحؑ پھرانہیں جگاتے اور چلے جاتے ۔پھر نیچے آتے اور دیکھتے کہ حواریوں کی کیا حالت ہےمگر پھران کوسوتا پاتے۔آخر حضرت مسیحؑ ان پر ناراض ہوئے اور کہا کہ ''کیاتم میرے ساتھ ایک گھنٹہ نہیں جاگ سکے'' مگر شاگردوں پر پھر بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ اس دوران میں حضرت مسیحؑ نے جس بیقراری اور اضطراب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کیں ان کا ذکر انجیل میں اس طرح آتا ہے:۔

''پھر یسوع ان کے ساتھ گتسمنی نامی ایک مقام میں آیا اور شاگردوں سے کہا یہاں بیٹھو جب تک میں وہاں جا کر دعا مانگوں ۔تب اس نے پطرسؔ اور زبدیؔ کے دو بیٹے ساتھ لئے اور غمگین اور نہایت دلگیر ہونے لگا۔تب اس نے ان سے کہا کہ میرا دل نہایت غمگین ہے بلکہ میری موت کی سی حالت ہےتم یہاں ٹھیرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو اور کچھ آگے بڑھ کے منہ کے بل گرا اور دعا مانگتے ہوئے کہا کہ اے میرے باپ!اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے گذر جائے تو بھی میری خواہش نہیں بلکہ تیری خواہش کے مطابق ہو۔تب شاگردوں کے پاس آیا اور انہیں سوتے پا کر پطرس سے کہا۔کیاتم میرے ساتھ ایک گھنٹہ نہیں جاگ سکے۔جاگو اور دعا مانگو تا کہ امتحان میں نہ پڑو۔روح تو مستعد پر جسم سست ہے پھراس نے دوبارہ جا کر دعا مانگی اور کہا اے میرے باپ!اگر میرے پینے کے بغیر یہ پیالہ

مجھ سے نہیں گذر سکتا تو تیری مرضی ہو۔اس نے آ کر پھر انہیں سوتے پایا۔کیونکہ ان کی آنکھیں نیند سے بھاری تھیں اور انہیں چھوڑ کر پھر گیا اور وہی بات کہہ کر تیسری بار دعا مانگی۔ تب اپنے شاگردوں کے پاس آ کر ان سے کہا۔اب سوتے رہو اور آرام کرو۔دیکھو وہ گھڑی آن پہنچی کہ ابن آدم گنہگاروں کے ہاتھ حوالے کیا جاتا ہے''

(متی باب ۲۶ آیت ۳۶ تا ۴۵)

اگر واقعہ میں حضرت مسیحؑ اس لئے آئے تھے کہ وہ لوگوں کے گناہ اٹھائیں اور ان کی خاطر اپنی جان قربان کر دیں تو کیا یہ ہوسکتا تھا کہ وہ صلیب کے وقت گڑگڑا گڑگڑا کر یہ دعا مانگتے کہ ''اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے گذر جائے'' (متی باب ۲۶ آیت ۳۹) پھر تو چاہیئے تھا کہ وہ روزانہ یہ دعا مانگتے کہ اے خدا یہ پیالہ مجھے جلد پلا تا کہ بنی نوع انسان کے گناہوں کا کفارہ ہو۔مگر بجائے اس کے کہ وہ یہ دعا کرتے کہ الٰہی موت کا پیالہ مجھے جلد پلا تا کہ میں لوگوں کے گناہ اٹھا کر ان کی نجات کا باعث بنوں وہ ساری رات گڑگڑا گڑگڑا کر یہ دعا کرتے رہے کہ الٰہی مجھے صلیب سے بچا اور نہ صرف آپ یہ دعا کرتے رہے بلکہ حواریوں کو بھی بار بار دعا کرنے کی تاکید کرتے رہے اور بار بار آ کر دیکھتے رہے کہ وہ سو رہے ہیں یا اٹھ کر دعائیں کر رہے ہیں اور جب انہوں نے دیکھا کہ حواری سستی سے کام لے رہے ہیں۔اور دعا کی طرف ان کی توجہ نہیں تو انہوں نے ان کو ڈانٹا اور کہا کیا تم سے اتنا بھی نہیں ہوسکتا کہ ایک گھنٹہ جاگ سکو اور خدا سے دعائیں کرو۔یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ حضرت مسیحؑ کے ذہن کے کسی گوشہ میں بھی کفارہ کا وہ مسئلہ نہ تھا جو آج کل عیسائیوں نے ایجاد کیا ہوا ہے اور نہ کفارہ کے لئے وہ دنیا میں تشریف لائے تھے ورنہ صلیب کی رات نہ آپ خود یہ دعا کرتے اور نہ اپنے حواریوں سے کہتے کہ دعا کرو کہ یہ

پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ کفارہ کی بنیاد اس امر پر ہے کہ حضرت مسیحؑ نے صلیب پر جان دی۔ مگر جب اناجیل پر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر لٹک کر فوت ہوئے۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ انجیل میں لکھا ہے ''تب بعض فقیہوں اور فریسیوں نے جواب میں کہا کہ اے استاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔'' یعنی حضرت مسیحؑ نے اپنی صداقت کے متعلق جب مختلف دلائل ان کے سامنے پیش کئے تھے تو ان کو سننے کے بعد فقیہوں اور فریسیوں نے کہا کہ یہ تو زبانی باتیں ہوئیں آپ ہمیں کوئی ایسا نشان دکھائیں جس سے آپ کی صداقت کے ہم بھی قائل ہو جائیں۔ اس پر ''اس نے انہیں جواب دیا اور کہا کہ اس زمانہ کے بد اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان انہیں دکھایا نہ جائے گا۔ کیونکہ جیسا یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا'' (متی باب ۱۲ آیت ۳۹۔۴۰) ان الفاظ میں حضرت مسیح علیہ السلام نے واقعہ صلیب کی خبر دی ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس میں ہمارا اور عیسائیوں کا اتفاق ہے۔ عیسائی بھی یہی کہتے ہیں کہ مسیحؑ کی یہ پیشگوئی واقعۂ صلیب پر چسپاں ہوتی ہے اور ہم بھی کہتے ہیں کہ اس پیشگوئی کا اطلاق صلیب کے واقعات پر ہوتا ہے۔ فریقین کے اس اتحاد کے بعد جب ہم نفسِ پیشگوئی پر غور کرتے ہیں تو ہمیں اس میں بعض عظیم الشان خبریں معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ یہود کو یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان نہ دکھایا جائے گا۔ دوم وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جیسا یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔ ان الفاظ میں خاص طور پر

یونس نبی کی مماثلت پر زور دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جیسا یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔گویا تین دن کی مشابہت پر زور نہیں بلکہ اصل زور یونس نبی کے مچھلی کے پیٹ میں رہنے اور ابن آدم کے زمین میں رہنے پر ہے یعنی جس رنگ میں یونس نبی تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا اسی رنگ میں ابن آدم بھی تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔جیسا اور ویسا کے الفاظ جو اس پیشگوئی میں استعمال کئے گئے ہیں بالصراحت بتلاتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ اپنی صداقت کی ایک قطعی اور حتمی دلیل یہ بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح یونس نبی مچھلی کے پیٹ میں گیا اور تین رات دن اس میں رہا اسی طرح ابن آدم کے ساتھ بھی ایک واقعہ پیش آئے گا اور اسے بھی اسی طرح تین رات دن زمین کے پیٹ میں رہنا پڑے گا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ یونس نبی کا کیا واقعہ ہے؟ بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ یونہ نبی کو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ نینوہ والوں کے پاس جائیں اور انہیں خدا تعالیٰ کے عذاب کی خبر دیں۔(بائیبل میں آپ کا نام یونہ ہے لیکن انجیل میں آپ کا نام یونس آتا ہے)وہ لوگوں کی مخالفت سے ڈر کر بھاگے اور کسی اور علاقہ میں جانے کے لئے جہاز پر سوار ہو گئے۔جہاز پر طوفان آیا۔لوگوں نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ کے غضب سے یہ عذاب نازل ہوا ہے۔اس پر انہوں نے قرعہ ڈالا کہ کس کے سبب سے عذاب آیا ہے اور نام یونہ کا نکلا۔انہوں نے یونہ سے پوچھا کہ قرعہ میں تمہارا نام نکلا ہے بتاؤ کیا بات ہے؟انہوں نے سارا حال سنایا کہ مجھے اس اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا تھا مگر میں نے سمجھا کہ اگر لوگوں کو میں نے عذاب کی خبر دی تو وہ میری مخالفت کریں گے اس لئے میں وہاں سے بھاگا اور جہاز میں آکر سوار ہو گیا۔انہوں نے کہا کہ اب آپ ہی بتائیں کہ اس مصیبت کا ہم کیا علاج

کریں۔ یونہ نے کہا کہ تم مجھے سمندر میں پھینک دو۔ یہ عذاب ٹل جائے گا۔ پہلے تو وہ لوگ اس پر آمادہ نہ ہوئے اورانہوں نے پورا زور لگایا کہ کس طرح طوفان سے جہاز کو سلامتی کے ساتھ نکال لے جائیں مگر جب وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوئے اور طوفان بھی کسی طرح تھمنے میں نہ آیا تو انہوں نے یہ دعا کرتے ہوئے کہ الٰہی اس شخص کا سمندر میں پھینکنا ہمارے لئے کسی عذاب کا موجب نہ ہو۔ یونہ کو اٹھایا اور سمندر میں پھینک دیا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد بائیبل میں لکھا ہے ''پر خداوند نے ایک بڑی مچھلی مقرر کر رکھی تھی کہ یونہ کو نگل جائے اور یونہ تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہا'' (یونہ باب ۱ آیت ۱۷) اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یونہ نبی مچھلی کے پیٹ میں کس طرح رہا؟ اس کے متعلق یونہ باب ۲ میں لکھا ہے کہ جب وہ مچھلی کے پیٹ میں گیا ''تب یونہ نے مچھلی کے پیٹ میں خداوند اپنے خدا سے دعا مانگی اور کہا کہ میں نے اپنی مصیبت میں خداوند کو پکارا اور اس نے میری سنی'' (یونہ باب ۲ آیت ۱۔۲) اس دعا سے جو مچھلی کے پیٹ میں یونہ نے کی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ زندہ ہونے کی حالت میں مچھلی کے پیٹ میں گئے اور پھر اس کے پیٹ میں بھی زندہ رہے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہے۔ چنانچہ یونہ باب ۲ میں ایک لمبی دعا درج ہے جو مچھلی کے پیٹ میں انہوں نے مانگی اور جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ الٰہی مجھ پر اب تک کئی مصیبتیں آئی ہیں جن سے تو نے مجھے بچایا۔ اب اس مصیبت سے بھی مجھے بچا اور نجات بخش۔ آخر خدا نے ان کی دعا کو سنا ''اور خداوند نے مچھلی سے کہا اور اس نے یونہ کو خشکی پر اگل دیا'' (یونہ باب ۲ آیت ۱۰) اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ یونہ نبی کا معجزہ یہ تھا کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں تین دن رات زندہ رہا نہ یہ کہ مرنے کے بعد جی اٹھا۔ یعنی بائیبل اس امر کو پیش نہیں کرتی کہ دیکھو یونہ خدا کا سچا نبی تھا کیونکہ وہ مر کر زندہ

ہوگیا بلکہ بائیبل یونہ نبی کا معجزہ یہ پیش کرتی ہے کہ وہ زندہ ہونے کی حالت میں مچھلی کے پیٹ میں گیا اور پھر زندہ ہونے کی حالت میں ہی اس کے پیٹ میں رہا حالانکہ جب وہ مچھلی کے پیٹ میں گیا ہے ہوسکتا تھا کہ مچھلی اسے چبانے کی کوشش کرتی اور وہ مر جاتے۔ اگر مچھلی اس وقت یونہ کو چبا لیتی تو وہ زندہ کس طرح رہتا؟ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان کئے کہ بغیر چبانے کے وہ آپ کو نگل گئی۔ پھر دوسری صورت یہ ہوسکتی تھی کہ گو وہ زندہ اس کے پیٹ میں چلے جاتے مگر اندر جا کر ہلاک ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں بھی ان کے لئے ہوا کا ایسا ذخیرہ رکھا کہ باوجود تین رات دن مچھلی پیٹ میں رہنے کے وہ زندہ رہے اور پھر زندہ ہونے کی حالت میں ہی مچھلی کے پیٹ سے باہر آ گئے۔ حالانکہ مچھلی کے اگلتے وقت بھی یہ خطرہ ہوسکتا تھا کہ اس کے گلے کے دباؤ سے آپ مر جاتے مگر خدا تعالیٰ نے ہر مرحلہ پر آپ کی حفاظت کی اور جب مچھلی نے آپ کو اگلا اس وقت بھی خدا نے آپ کی حفاظت کی نہ نگلتے وقت اس نے آپ کو چبایا نہ اگلتے وقت اس نے آپ کو چبایا نہ پیٹ میں رہتے وقت ہوا کا ذخیرہ کم ہوا۔ پس یونہ نبی کا معجزہ کیا ہے؟ اس کا یہ معجزہ نہیں کہ وہ مر کر زندہ ہوگیا بلکہ اس کا معجزہ یہ ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے جو خطرناک حادثہ ہوسکتا تھا اس سے بچے رہے پھر پیٹ میں جا کر یہ خطرہ ہوسکتا تھا کہ آپ کو ہوا نہ پہنچتی اور دم گھٹ جانے کی وجہ سے آپ ہلاک ہو جاتے مگر اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی ایسا سامان کیا کہ آپ بچے رہے اس کے بعد جب مچھلی نے آپ کو اگلا اس وقت بھی یہ خطرہ ہوسکتا تھا کہ آپ ہلاک ہو جاتے۔ اگلتے وقت بھی خدا تعالیٰ نے آپ کو اس حادثہ سے بچا لیا۔ پس مر کر زندہ ہونا یونہ نبی کا معجزہ نہیں بلکہ ان تین مقامات پر یونہ نبی کا زندہ رہنا اس کی صداقت کا عظیم الشان نشان تھا۔ پس مسیحؑ اگر یہی معجزہ اپنی قوم کو دکھانا چاہتا تھا تو اس کے معنے یہ تھے کہ وہ یونہ کی طرح

زندہ ہی قبر میں جائے گا۔ زندہ ہی وہاں رہے گا اور زندہ ہی قبر سے نکلے گا۔ بہرحال اس کی صداقت اس بات سے وابستہ تھی کہ وہ ان تین مقامات پر موت سے محفوظ رہتا اور یہی وہ نشان تھا جس کے دکھائے جانے کا آپ نے یہود کے سامنے اعلان کیا اور بتایا کہ جس چیز کے ذریعہ میں قبر میں جاؤں گا وہ ہمیشہ موت کا موجب ہوتی ہے مگر میرے لئے وہ موت کا موجب نہیں ہوگی۔ پھر قبر میں رکھا جانا موت کا موجب ہوتا ہے مگر باوجود اس کے کہ مجھے قبر میں رکھا جائے گا پھر بھی میں نہیں مروں گا۔ بلکہ جس طرح یونہ مچھلی کے پیٹ میں تین رات دن رہنے کے باوجود بچ گیا اسی طرح میں بھی قبر میں تین رات دن رہنے کے باوجود زندہ رہوں گا۔ پھر تیسرا نشان یہ ہوگا کہ میں اس قبر میں سے زندہ نکل آؤں گا۔ حالانکہ کسی سرکاری مجرم کا جسے پھانسی کا حکم دیا جا چکا ہو زندہ نکل کر بھاگ جانا اس کے لئے بہت بڑے خطرات کا موجب ہوسکتا ہے اور گورنمنٹ اسے پھر گرفتار کر کے سزا دے سکتی ہے مگر آپ فرماتے ہیں جس طرح یونہ نبی کو مچھلی نے زندہ اگلا اسی طرح میں بھی قبر میں سے زندہ نکل آؤں گا۔ یونہ نبی کے متعلق بھی یہ خطرہ تھا کہ اگلتے وقت مچھلی اسے ہلاک کر دے مگر خدا تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا اور وہ سلامتی کے ساتھ اس کے پیٹ میں سے نکل آیا۔ اسی طرح میرے متعلق بظاہر یہ خطرہ ہوگا کہ گورنمنٹ مجھے گرفتار کر لے مگر یونہ نبی کی طرح خدا میرے لئے ایسے سامان پیدا کر دے گا کہ میں بغیر کسی خطرہ کے زندہ نکل آؤں گا اور کوئی شخص مجھے پکڑ کر مار نہیں سکے گا۔ یہ امر ظاہر ہے کہ مسیحؑ کے قبر میں جانے کا راستہ اس کا صلیب پر کھینچا جانا تھا۔ پس اگر مسیحؑ کی یہ پیشگوئی صحیح تھی تو اس کے معنے صرف یہ تھے کہ مسیحؑ یہ پیشگوئی کرتا ہے کہ صلیب جو موت کا ذریعہ ہے اس پر لٹک کر بھی میں زندہ بچ رہوں گا۔ اور جس طرح مچھلی نے یونہ کو چبا کر مارا نہیں بلکہ اسے زندہ پیٹ میں اتار دیا اسی طرح صلیب مجھے مارے گی

نہیں بلکہ زندہ ہی مجھے قبر میں بھجوادے گی۔ دوسرا ذریعہ موت کا قبر ہوتی ہے۔ اس کے متعلق مسیح یہ پیشگوئی کرتا ہے کہ جس طرح یونس نبی مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہا میں زمین کے پیٹ میں زندہ رہوں گا اور پھر تیسری پیشگوئی مسیح یہ کرتا ہے کہ جس طرح یونہ نبی مچھلی کے پیٹ سے زندہ نکلا اور خدا نے آخری مرتبہ بھی اسے موت سے محفوظ رکھا۔ اسی طرح میرے ساتھ واقعہ ہوگا میں بھی زمین کے پیٹ میں سے زندہ نکلوں گا اور کوئی شخص مجھے گرفتار کر کے ہلاک نہیں کر سکتا۔

چونکہ یہ مضمون مسیحؑ کی وفات کا نہیں میں تفصیل میں نہیں جاتا مگر اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ مسیحی روایات کے مطابق مسیحؑ کو صرف دو تین گھنٹے صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ چنانچہ انجیل سے ثابت ہے کہ چھ پہر سے نو پہر تک ان کو صلیب پر رکھا گیا اور یہ صرف تین گھنٹے بنتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک یہ اندازہ بھی پورے طور پر صحیح نہیں کہلا سکتا اس لئے کہ آپ کو صلیب پر لٹکانے کے بعد بڑے زور سے آندھی آ گئی تھی اور چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی چھا گئی تھی اس وجہ سے ہوسکتا ہے کہ آندھی اور تاریکی کی وجہ سے حضرت مسیحؑ کو صلیب پر سے اتارنے کا وقت لوگوں پر پوشیدہ رہا ہو اور انہوں نے قیاس سے کام لے کر وقت کی تعیین نو پہر تک کر دی ہو لیکن بہر حال اگر اس کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ صرف تین گھنٹے بنتے ہیں حالانکہ صلیب پر تین دن سے سات دن تک لٹکانے سے بھی لوگ نہیں مرتے تھے۔

ہمارے ملک میں عام طور پر لوگ صلیب کے یہ معنے سمجھتے ہیں کہ سینہ کی ہڈیوں اور ہاتھوں اور پاؤں کی ہڈیوں میں میخیں گاڑ دی جاتی ہیں اور انسان فوری طور پر ہلاک ہوجاتا تھا۔ لیکن یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ صلیب جس پر انسان کو لٹکایا جاتا تھا اس کی شکل یہ ہوا

کرتی تھی ۔ †

جب کسی شخص کو صلیب پر لٹکانا ہوتا تھا تو اسے کھڑا کر کے اس کے بازوؤں کو دائیں بائیں دو ڈنڈوں کے ساتھ باندھ دیتے تھے اور پھر اس کے بازوؤں کے نرم عضلات میں کیل گاڑ دئے جاتے تھے ۔ اسی طرح ٹانگوں کی ہڈیوں میں نہیں بلکہ ان کے گوشت میں میخیں گاڑ دیتے تھے ۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ٹانگوں ہاتھوں اور سینہ کی ہڈیوں میں کیل گاڑے جاتے تھے اور چونکہ ہڈیوں میں کیل گاڑنا واقعہ میں ایسا خطرناک امر ہے کہ انسان اس کے بعد زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا اس لئے وہ خیال کرتے ہیں کہ جو شخص صلیب پر لٹکایا جاتا ہوگا وہ جلد ہی ہلاک ہو جاتا ہوگا مگر یہ درست نہیں ۔ جسم کی ہڈیوں میں نہیں بلکہ بازوں کے نرم عضلات میں کیل گاڑے جاتے تھے اسی طرح ٹانگوں کی ہڈیوں کے نیچے جو گوشت ہوتا ہے اس میں کیل گاڑے جاتے تھے ۔ بیشک یہ ایک تکلیف دہ چیز تھی مگر فوری طور پر موت کا موجب نہیں ہو سکتی تھی ۔ بلکہ جو لوگ قوی اور مضبوط ہوتے تھے وہ بعض دفعہ سات سات دن تک بھی نہیں مرتے تھے اور جو لوگ مرتے تھے ان میں سے اکثر فاقہ کی وجہ سے مرا کرتے تھے یا اس وجہ سے کہ زخموں میں کیڑے پڑ جاتے اور ان کا زہر ہلاکت کا موجب بن جاتا ۔ وہ ڈاکو یا باغی وغیرہ جو ساتویں دن تک بھی زندہ رہتے تھے ان کے متعلق دستور یہ تھا کہ ہتھوڑے مار مار کر ان کی ہڈیاں توڑی جاتی تھیں ۔ اور اس طرح ان کو ہلاک کیا جاتا ۔ دراصل صلیب کے معنے بھی یہی ہیں کہ ہڈی توڑ کر گودا باہر نکال دینا ۔ اور یہ نام اس لئے رکھا گیا تھا کہ اکثر لوگ صلیب پر مرتے نہیں تھے بلکہ بعد میں ان کی ہڈیاں توڑ کر گودا نکالا جاتا تھا ۔ یہ لفظ خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ صلیب پر جلدی موت واقعہ ہو جاتی تھی ۔

پھر مسیحؑ کی صلیب کے وقت اور بھی کئی غیر معمولی واقعات ہوئے۔اول جب مسیحؑ پر مقدمہ ہوا تو پیلاطوس جس کے پاس فیصلہ کے لئے یہ مقدمہ تھا اس کی بیوی نے ایک منذر ررؤیا دیکھا۔جس کی بناء پر اس نے پیلاطوس کو کہلا بھیجا کہ ''تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ کیونکہ میں نے آج خواب میں اس کے سبب بہت دکھ اٹھایا ہے''(متی باب ۲۷ آیت ۱۹) پیلاطوس نے حضرت مسیحؑ کو چھوڑنے کی بہت کوشش کی مگر یہودیوں نے اصرار کیا کہ ہم اسے ضرور سزا دلوائیں گے اور چونکہ حضرت مسیحؑ پر باغی ہونے کا الزام تھا۔ یہودیوں نے اسے دھمکی دی کہ اگر تم نے اسے چھوڑ دیا تو ہم تم پر یہ الزام لگائیں گے کہ تم نے ایک باغی کا ساتھ دیا ہے۔جب اسے سخت مجبور کیا گیا تو اس نے ''پانی لے کر بھیڑ کے آگے اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا میں اس راستباز کے خون سے پاک ہوں تم جانو۔تب سب لوگوں نے جواب میں کہا۔اس کا خون ہم پر اور ہماری اولاد پر ہو''

(متی باب ۲۷ آیت ۲۴،۲۵)

دوسرے پیلاطوس نے مسیحؑ کو ایسے وقت میں پھانسی کا حکم دیا جبکہ دوسرے دن سبت تھا۔میں بتا چکا ہوں کہ جس شخص کو صلیب پر لٹکایا جاتا تھا وہ جلدی نہیں مرتا تھا بلکہ تین سے سات دن تک زندہ رہتا تھا اور بعض لوگ سات دن کے بعد بھی زندہ رہتے تھے ایسے لوگوں کی ہڈیاں توڑ کر انہیں ہلاک کیا جاتا تھا بہرحال ایک دو دن تک صلیب پر لٹکنے کی وجہ سے کوئی شخص مرتا نہیں تھا۔بیشک زخموں کی وجہ سے انہیں تکلیف ہوتی تھی مگر یہ تکلیف ان کی موت کا موجب نہ بنتی تھی۔ہم دیکھتے ہیں کہ چوروں اور ڈاکوؤں سے بعض دفعہ مقابلہ ہوتا ہے تو کئی لوگوں کے سر پھٹ جاتے ہیں مگر پھر بھی وہ پانچ پانچ سات سات دن تک زیر علاج رہتے ہیں اور پھر ان میں سے بھی کئی بچ جاتے ہیں بہرحال اس قسم کے زخم فوری

ہلاکت کا موجب نہیں ہوتے۔حضرت مسیحؑ اسی صورت میں صلیب پر فوت ہو سکتے تھے جب انہیں سات دن تک صلیب پر لٹکا رہنے دیا جاتا اور پھر ان کی ہڈیاں بھی توڑی جاتیں ۔مگر پیلاطوس چونکہ مسیح کے ساتھ تھا اس لئے اس نے مسیحؑ کی صلیب کے لئے ایسا وقت مقرر کیا جبکہ دوسرے دن سبت تھا اور یہود کا یہ عقیدہ تھا کہ اگر سبت کے دن کوئی شخص پھانسی پر لٹکا رہے تو ساری قوم لعنتی ہو جاتی ہے ۔بہرحال پیلاطوس سے جب اصرار کیا گیا کہ مسیحؑ کو ضروری پھانسی دی جائے ۔تو اس نے حکم دے دیا کہ اس کو ابھی پھانسی پر لٹکا دیا جائے ۔وہ جمعہ کا دن تھا اور ظہر کے قریب کا وقت تھا بلکہ ظہر کا وقت بھی ڈھل چکا تھا جب حضرت مسیحؑ کو صلیب پر لٹکایا گیا ۔عصر کے قریب تیز آندھی آ گئی ۔وہ اتنی تیز تھی کہ اس نے تمام جوّ کو اندھیرا کر دیا۔اس وقت بعض نے کہا کہ اگر اسی حالت میں شام ہوگئی اور ہمیں وقت کا علم نہ ہوسکا تو چونکہ شام سے سبت کا آغاز ہو جائے گا اس لئے ساری قوم لعنتی ہو جائے گی ۔بہتر یہ ہے کہ ان کو جلدی صلیب سے اتار لیا جائے ایسا نہ ہو کہ شام کا وقت ہو جائے یسوع صلیب پر لٹکا رہے اور ساری قوم پر لعنت پڑ جائے ۔

اس موقعہ پر سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ یہودیوں نے کیوں یہ اعتراض نہ کیا کہ مسیحؑ کو جمعہ کے دن صلیب پر لٹکایا نہ جائے بلکہ کسی اور دن اسے صلیب دیا جائے ؟اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو یہود کا پہلو کمزور تھا اگر وہ کہتے کہ جمعہ کے دن مسیحؑ کو صلیب نہ دی جائے تو چونکہ مسیحؑ پر بغاوت کا الزام تھا تو پیلاطوس ان کو کہہ سکتا تھا کہ اگر اس دوران میں یہ شخص بھاگ گیا یا اس کو ماننے والے اس کو چھڑا کر لے گئے تو اس کا کون ذمہ دار ہوگا اور یہ ایک ایسی بات تھی جس کا یہود کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔دوسرے چونکہ قاعدہ تھا کہ اگر کوئی شخص صلیب پر نہ مرتا تو اس کی ہڈیاں توڑ کر اس کو مار دیا جاتا تھا۔اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ

صلیب پر زندہ رہا تب بھی اس کی ہڈیاں توڑی جائیں گی ۔ہمیں اس وقت یہ سوال نہیں اٹھانا چاہیئے کہ جمعہ کو اسے صلیب پر نہ لٹکایا جائے کیونکہ ہم نے اس پر الزام یہ لگایا ہے کہ یہ حکومت کا باغی ہے اگر ہم نے سزا کی التوا کے متعلق کوئی سوال اٹھایا تو پیلاطوس کہے گا کہ حکومت باغی کو تو فوراً مارنا چاہیئے تم یہ سوال کیوں اٹھاتے ہو کہ اسے ابھی زندہ رہنے دیا جائے اور ایک دو دن گذرنے کے بعد اسے صلیب پر لٹکایا جائے ۔بہر حال یہود نے کوئی مزاحمت نہ کی اور حضرت مسیحؑ کو جمعہ کے دن پچھلے پہر صلیب پر لٹکا دیا گیا ۔مگر چونکہ پیلاطوس دل سے مسیحؑ کا خیر خواہ تھا اور اپنی بیوی کی خواب کی وجہ سے وہ ڈر بھی چکا تھا اس لئے اس نے مسیحؑ کو صلیب دیتے وقت فوج کا ایک ایسا دستہ مقرر کیا جس کا افسر خود مسیحؑ کا مرید تھا ۔اسی طرح پہرہ داروں اور پولیس کے حاضر الوقت سپاہیوں میں سے بھی بعض حضرت مسیحؑ کے مرید تھے ۔چنانچہ اس کا ظاہری ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ جب حضرت مسیحؑ درد کی شدت کی وجہ سے چلائے تو پہرہ داروں میں سے ایک نے جلدی سے اسفنج کا ایک ٹکڑا لیا اور اسے شراب اور مر سے بھگو کر حضرت مسیحؑ کو چوسنے کے لئے دیا ۔پادری لوگ دانستہ یا ناواقفیت سے جب واقعہ صلیب کے متعلق تقریر کرتے ہیں تو جس طرح شیعہ لوگ واقعاتِ کربلا کو زیادہ سے زیادہ دردناک رنگ میں پیش کرتے ہیں اور معمولی باتوں کو بھی بڑھا چڑھا کر بیان کر دیتے ہیں اسی طرح وہ بھی بعض دفعہ تقریر کرتے ہوئے کہتے ہیں دیکھو خدا کے بیٹے سے کس قدر دشمنی کی گئی کہ جب وہ سخت تکلیف میں مبتلا تھا اور شدتِ درد کی وجہ سے کراہ رہا تھا تو اس وقت کمبخت ظالموں نے شراب اور مر میں اسفنج بھگو کر اس کے مونہہ میں ڈالا اور اس طرح آخری وقت میں اسے اور زیادہ تکلیف اور دکھ میں ڈالا ۔حالانکہ تاریخ سے پتہ لگتا ہے کہ صلیب پر لٹکائے جانے والوں میں سے جب کسی کی رعایت منظور ہوتی اور اس کی تکلیف کو کم کرنا مناسب سمجھا جاتا تو اسے شراب اور مر کا مرکب

پلایا جاتا تھا۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ اناجیل میں شراب اورمر کا ذکر نہیں آتا بلکہ اتنا ذکر آتا ہے کہ جب حضرت مسیحؑ شدتِ درد کی وجہ سے چلائے تو ''ایک نے دوڑ کر اسفنج کو سرکے میں بھگو کر اور ایک نرکٹ پر رکھ کے اسے چسایا'' (مرقس باب ۱۵ آیت ۳۶) مگر سرکہ میں بھگو کر اسفنج منہ میں دینا اس زمانہ کے دستوروں میں کہیں ثابت نہیں پھر وجہ کیا ہے کہ وہاں سرکہ اور اسفنج رکھا تھا کیا لوگ بلا وجہ سرکہ اور اسفنج ساتھ رکھا کرتے ہیں؟ کیا کسی مجلس میں سرکہ اور اسفنج طلب کیا جائے تو فوراً مل جائے گا؟ پس یہ روایت دیدہٗ ودانستہ یا حقیقت سے ناواقفی کی وجہ سے بیان کی گئی ہے۔اصل بات یہی ہے کہ اس زمانہ کے خیال کے مطابق کہ زخموں کی تکلیف دور کرنے کے لئے مر اور شراب دینی چاہیئے حضرت مسیحؑ کے مریدوں نے اس جگہ شراب اور مر رکھے ہوئے تھے۔جب وہ شدتِ درد سے چلائے تو انہوں نے دوڑ کر اسفنج اس میں بھگو کر چسا دیا (دیکھو جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۴ زیر لفظ صلیب) اس حوالہ کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

The details given in the new Testament accounts (Matt.xxvii)of the crucifixion of jesus agree on the whole with the procedure in vogue under Roman law .Two modifications are worthy of note:

(1) In order to make him insensible to pain a drink (Mattxxvii)was given him. This was in accordance with the humane Jewish provision(Maimonides, "Vad, Senb xiiiSanb 43a)

(2)The beverage was a mixture of myrrh and wine, "given so that the delinquent might lose clean consciousness through the ensuing intoxication".

یعنی انجیل میں یسوع کے صلیب پر لٹکائے جانے کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے وہ عام طور پر اس رومن قانون کے مطابق معلوم ہوتی ہے جو ان دنوں رائج تھا۔ صرف دو فرق ایسے ہیں جو خاص طور پر توجہ کے قابل ہیں۔ پہلا فرق یہ ہے کہ یسوع مسیحؑ کو درد کی طرف سے بے حس کرنے کے لئے ایک دوائی دی گئی جس کا پلایا جانا یہودیوں کے ایک ہمدردانہ قانون کے مطابق تھا۔ یہ دوا جو پلائی جاتی تھی مر اور شراب کا ایک مرکب ہوتی تھی اور اس لئے دی جاتی تھی تا کہ سزا پانے والے مجرم میں احساسِ درد باقی نہ رہے اور نشہ کی وجہ سے اسے تکلیف محسوس نہ ہو۔ پس گو انجیل میں یہ لکھا ہے کہ اسفنج کو سرکہ میں بھگو کر حضرت مسیحؑ کو چوسنے کے لئے دیا گیا مگر دراصل یہ سرکہ نہیں تھا۔ بلکہ ایک دوا تھی جو شراب اور مر کو ملا کر تیار کی جاتی تھی اور یہ مرکب خاص اور اہم لوگوں کو زخموں کی تکلیف کم کرنے کے لئے دیا جاتا تھا۔ حضرت مسیحؑ کو بھی پہرہ دار نے یہ مرکب دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہرہ دار جو کہ اس موقعہ پر پیلاطوس کی طرف سے مقرر کئے گئے تھے حضرت مسیحؑ کے مرید تھے اور وہ چاہتے تھے کہ حضرت مسیح کی تکلیف کو جس قدر ہو سکے کم کیا جائے۔ اسی طرح پیلاطوس کا حضرت مسیحؑ کو جمعہ کے دن کے آخری حصہ میں صلیب پر لٹکانا اس بات کا ایک بین ثبوت ہے کہ پیلاطوس دل سے چاہتا تھا کہ حضرت مسیحؑ صلیب سے بچ جائیں اس لئے اس نے سبت کے قریب کے دن کے آخری حصہ میں آپ کو صلیب دینے کا حکم دیا تا کہ قلیل سے قلیل عرصہ آپ صلیب پر رہیں اور اس طرح آپ ہلاکت سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ جیوش

انسائیکلو پیڈیا نے بھی اس بات کو لیا ہے کہ یہ بالکل غیر معمولی اور خلاف قاعدہ فعل تھا جس کا پیلاطوس نے ارتکاب کیا۔لکھا ہے:۔

The greatest difficulty from the point of view of the jewish penal procedure is presented by the day and time of the executltion.According to the Gospels, Jesus died on friday the eve of Sabbath.Yet on the day in view of the approach of the Sabbath (or holiday) execution lasting until late in the afternoon were almost impossible.

(Sifre'ii-221;Sanb.35b;Mekitte to Wayakhel)

یعنی سب سے بڑی مشکل جو یہودی قانون تعزیر کے سلسلہ میں ہمارے سامنے پیش آتی ہے وہ اس وقت اور دن کی تعیین سے تعلق رکھتی ہے جس میں یسوع مسیح کو صلیب پر لٹکایا گیا انجیل کے رو سے یسوع جمعہ کے دن سبت کی شام کو مرا حالانکہ یہودی قانون کے مطابق اس دن کوئی شخص صلیب پر لٹکایا نہیں جا سکتا تھا کیونکہ سبت کے قرب کی وجہ سے بعد دو پہر مجرموں کو کافی دیر تک صلیب پر لٹکائے رکھنا قریباً ناممکن تھا۔

گویا جیوش انسائیکلو پیڈیا والا نہ صرف جمعہ کے دن حضرت مسیح کو صلیب پر لٹکانا ایک عجیب بات سمجھتا ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ صلیب پر اس دن زیادہ دیر تک کوئی شخص لٹکایا ہی نہیں جا سکتا تھا۔اس بناء پر ہمارا حق ہے کہ اگر انجیل یہ کہتی ہے کہ حضرت مسیحؑ کو تین گھنٹے صلیب لٹکایا گیا تو ہم یہ کہیں کہ آپ کو صرف ڈیڑھ دو گھنٹے لٹکایا گیا تھا۔کیونکہ سبت کے

قرب کی وجہ سے زیادہ دیر تک کسی شخص کو صلیب پر لٹکایا نہیں جا سکتا تھا بہر حال اگر دو یا تین گھنٹے آپ کو لٹکایا گیا۔ تب بھی اس سے آپ کی موت واقع نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ صلیب پر بعض دفعہ سات سات دن تک بھی لوگ زندہ رہتے تھے اور اس وقت تک نہیں مرتے تھے جب تک ہتھوڑے مار مار کر ان کی ہڈیوں کا گودا نہ نکالا جاتا۔

دوسرا ثبوت اس امر کا کہ پیلاطوس نے حضرت مسیحؑ کو بچانے کے لئے صلیب کے وقت بعض ایسے افسروں کی وہاں ڈیوٹیاں مقرر کر دی تھیں جو حضرت مسیحؑ پر ایمان لا چکے تھے ۔ یہ ہے کہ انجیل میں لکھا ہے جب حضرت مسیحؑ کو صلیب پر لٹکایا گیا تو ''وے جو اُدھر سے جاتے تھے سر ہلاتے تھے اور یہ کہہ کے اسے ملامت کرتے تھے کہ واہ تو جو ہیکل کو ڈھاتا اور تین دن میں بناتا تھا اپنے تئیں بچا اور صلیب پر سے اتر آ اسی طرح سردار کاہنوں نے بھی آپس میں فقیہوں کے ساتھ ٹھٹھے کرتے ہوئے کہا اس نے اوروں کو بچایا اپنے تئیں بچا نہیں سکتا۔ بنی اسرائیل کا بادشاہ مسیحؑ اب صلیب پر سے اتر آوے تاکہ ہم دیکھیں اور ایمان لاویں'' (مرقس باب ۱۵ آیت ۲۹ تا ۳۲)

غرض بقول انجیل اس وقت لوگ آپ پر مذاق کر رہے تھے اسی دوران میں حضرت مسیحؑ شدتِ درد کی وجہ سے چلائے اور بقول بائبل انہوں نے ''دم توڑ دیا'' اس وقت کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے انجیل میں لکھا ہے ''اس صوبہ دار نے جو اس کے سامنے کھڑا تھا اسے یوں چلاتے اور دم چھوڑتے دیکھ کے کہا کہ یہ شخص سچ مچ خدا کا بیٹا تھا'' (مرقس باب ۱۵ آیت ۳۹) اب بتاؤ کیا یہ الفاظ کوئی ایسا شخص کہہ سکتا تھا جو حضرت مسیحؑ کا مخالف ہوتا۔ اگر وہ آپ کو فقیہوں اور فریسیوں کی طرح جھوٹا سمجھتا تو اسے کہنا چاہیئے تھا کہ دیکھو آج ثابت ہو گیا ہے کہ یہ شخص خدا کا بیٹا نہیں تھا ہم نے اسے صلیب پر لٹکایا اور اس کی جان لے

لی۔مگر وہ یہ نہیں کہتا وہ آپ پر ہنسی نہیں اڑاتا وہ آپ کے دعویٰ کی تکذیب نہیں کرتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ ''یہ شخص سچ مچ خدا کا بیٹا تھا'' یہ اس امر کا واضح اور کھلا ثبوت ہے کہ صلیب کے وقت پیلاطوس نے ارادتاً ایسے افسر اور سپاہی مقرر کئے تھے جو حضرت مسیحؑ پر ایمان لا چکے تھے تاکہ آپ کی تکلیف کو وہ زیادہ سے زیادہ کم کر سکیں اور صلیب سے اتارنے کے بعد آپ کی حفاظت اور علاج میں وہ حصہ لے سکیں۔ بہر حال مسیحؑ بوجہ نازک بدن ہونے کے بے ہوش ہو گئے۔ اتنے میں آندھی آئی اور مسیحؑ کو اتار لیا گیا تاکہ کہیں سبت نہ آ جائے۔ جب آپ کو اور ان چوروں کو بھی اتار لیا گیا جن کو آپ کے ساتھ ہی صلیب پر لٹکایا گیا تھا تو قاعدہ کے مطابق ساتھ کے چوروں کی ہڈیاں توڑ دی گئیں مگر افسر پولیس چونکہ حضرت مسیحؑ کا مرید تھا جیسا کہ مرقس باب ۱۵ آیت ۳۹ اور متی باب ۲۷ آیت ۵۴ سے ظاہر ہے۔اس نے یہ چالاکی کی کہ حضرت مسیحؑ کے متعلق کہہ دیا کہ یہ تو مر گیا ہے اس کی ہڈیاں توڑنے کی ضرورت نہیں۔حالانکہ انجیل میں صاف لکھا ہے کہ ''سپاہیوں میں سے ایک نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے لہو اور پانی نکلا'' (یوحنا باب ۱۹ آیت ۳۴) لہو اور پانی کا نکلنا بتا رہا ہے کہ آپ زندہ تھے اگر فوت ہو چکے ہوتے تو آپ کا خون جم جانا چاہیئے تھا۔لیکن لہو اور پانی نکلنے کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ درحقیقت ان کے جسم میں سے بہتا ہوا خون نکلا۔مگر حضرت مسیحؑ چونکہ اس وقت بیہوش تھے اس سپاہی نے لوگوں کو دھوکہ میں مبتلا رکھنے کے لئے کہہ دیا کہ آپ فوت ہو چکے ہیں۔

اس کے فوراً بعد یوسف آرمیتا جو حضرت مسیحؑ کے مرید تھے پیلاطوس کے پاس گئے اور اس سے اجازت لی کہ لاش میرے حوالے کی جائے چنانچہ پیلاطوس نے حکم دے دیا کہ لاش یوسف آرمیتہ کو دے دی جائے (متی باب ۲۷ آیت ۵۸) لاش پر قبضہ کرنے کے بعد

یوسف آرمیتہ نے ایک کھلی کوٹھڑی جیسی قبر میں ان کو بند رکھا جو زمین میں کھودی ہوئی نہ تھی بلکہ کوٹھڑی کی طرح چٹان میں کھدی ہوئی تھی اس میں ان کے جسم کو رکھکر اس کے سامنے پتھر رکھ دیا گیا جس کے معنی یہ ہیں کہ ہوا کا راستہ کھلا رکھا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے:۔''یوسف نے لاش لے کر سوتی صاف چادر میں لپیٹی اور اپنی نئی قبر میں جو چٹان میں کھودی تھی رکھی اور ایک بھاری پتھر قبر کے مونہہ پر ڈھلکا کے چلا گیا''(متی باب ۲۷ آیت ۵۹۔۶۰)''جیوش انسائیکلو پیڈیا'' نے بھی اس سوال کو خاص طور پر اٹھایا ہے۔ چنانچہ اس میں لکھا ہے:۔

Bodies of delinquents were not buried in private graves (Snab.vi.5) While that of Jesus was buried in a sepulchro belonging to Joseph of Arimathea (Jewish encyclopaedia vol.4'p.373)

یعنی مجرموں کی لاشیں خاص قبروں میں نہیں دفنائی جاتی تھیں لیکن یسوع مسیح کے ساتھ یہ امتیازی سلوک روا رکھا گیا کہ اس کی نعش یوسف آرمیتیا کی مملوکہ ایک کھلی کوٹھڑی میں رکھی گئی۔ یہود کو اس پر شبہ ہوا اور انہوں نے پیلاطوس سے شکایت کی کہ تیسرے دن تک قبر کی نگرانی کی جائے چنانچہ لکھا ہے:۔''دوسرے روز جو تیاری کے دن کے بعد ہے سردار کاہنوں اور فریسیوں نے مل کر پیلاطوس کے پاس جمع ہو کر کہا کہ اے خداوند ہمیں یاد ہے کہ وہ دغا باز اپنے جیتے جی کہتا تھا کہ میں تین دن بعد جی اٹھوں گا۔ اس لئے حکم کر کہ تیسرے دن تک قبر کی نگہبانی کریں''(متی باب ۲۷ آیت ۶۲،۶۳)اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی یہ پیشگوئی کہ یہود کو وہی نشان دکھایا جائے گا جو یونس نبی کے ذریعہ ظاہر ہوا لوگوں میں خوب مشہور ہو چکی تھی اور حواری اس پیشگوئی کے مطابق ہر ایک سے یہ کہتے

پھرتے تھے کہ جس طرح یونس تین رات دن کے بعد مچھلی کے پیٹ میں سے زندہ نکل آیا اسی طرح مسیحؑ بھی تین رات اور دن کے بعد زندہ ہو جائے گا۔اس پیشگوئی کی بناء پر یہود سمجھتے تھے کہ تین دن اور رات گذرنے کے بعد حواریوں نے کہہ دینا ہے کہ دیکھو مسیحؑ زندہ ہو گیا۔اس لئے بہتر یہی ہے کہ پیلاطوس کو ابھی سے کہہ دیا جائے کہ جس کوٹھڑی میں مسیحؑ کی لاش کو رکھا گیا ہے اس پر تین دن تک پہرہ لگا دیا جائے تا کہ مسیحؑ کی یہ بات پوری نہ ہو سکے کہ میں یونس نبی کی طرح تین رات اور دن گذرنے کے بعد زندہ نکل آوں گا۔مگر پیلاطوس چونکہ اندر سے مسیحؑ کے ساتھ تھا۔اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں سرکاری پہرے دار مقرر نہیں کرسکتا۔"تمہارے پاس پہرے والے ہیں جا کے مقدور بھر اس کی نگہبانی کرو"(متی باب ۲۷ آیت ۶۵) یعنی تم خود پہرہ دیتے رہو میں سرکاری طور پر اس بارہ میں کوئی انتظام نہیں کر سکتا۔پیلاطوس کی اس انکار سے غرض یہ تھی کہ اگر حکومت کی طرف سے وہاں پہرے دار مقرر کئے گئے تو اُس صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں سے نکل نہیں سکیں گے اور اگر پہرے داروں کا مقابلہ کر کے نکلے تو چونکہ وہ حکومت کی طرف سے مقرر ہوں گے ان کا مقابلہ حکومت کا مقابلہ سمجھا جائے گا اور انہیں اور زیادہ مشکلات پیش آ جائیں گی۔لیکن اگر عام لوگ پہرہ پر ہوئے تو ان کا مقابلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔مسیحؑ کے حواری ان سے لڑیں گے اور مسیحؑ کو نکال لے جائیں گے۔اس حکمت کے ماتحت اس نے سرکاری پہرہ لگانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں پولیس مقرر نہیں کرسکتا۔اگر تم ان کی نگرانی کرنا ضروری سمجھتے ہو تو خود پہرہ لگا لو۔جب اتوار کی صبح کو پو پھٹتے وقت کچھ عورتیں وہاں گئیں تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں مسیحؑ نہیں ہے اور ایک فرشتہ چٹان پر بیٹھا ہوا ہے۔چنانچہ لکھا ہے۔

''سبت کے بعد جب ہفتہ کے پہلے دن پو پھٹنے لگی مریم مگدلینی اور دوسری مریم قبر کو دیکھنے آئیں اور دیکھو کہ ایک بڑا بھونچال آیا تھا کیونکہ خداوند کا فرشتہ آسمان سے اتر کے آیا اور اس پتھر کو قبر سے ڈھلکا کے اس پر بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ بجلی کا سا اور اس کی پوشاک سفید برف کی سی تھی'' (متی باب ۲۸ آیت ۱ تا ۳)

میں سمجھتا ہوں فرشتہ کوئی نہ تھا یہ حضرت مسیحؑ تھے جو باہر نکل کر چٹان پر بیٹھے ہوئے تھے اور انہوں نے کفن پہنا ہوا تھا۔ بہر حال انجیل کے بیان کے مطابق فرشتہ نے ان عورتوں سے کہا کہ مسیح جسے تم دیکھنے کے لئے آئی ہو وہ یہاں نہیں ہے بلکہ اپنے حواریوں کے پاس جلیل کو گیا ہے تم جاؤ اور دوسرے حواریوں کو بھی اس امر کی اطلاع دے دو۔ چنانچہ انجیل میں لکھا ہے ''فرشتے نے مخاطب ہو کر ان عورتوں سے کہا تم مت ڈرو میں جانتا ہوں کہ تم یسوع کو جو صلیب پر کھینچا گیا ڈھونڈتی ہو۔ وہ یہاں نہیں ہے کیونکہ جیسا اس نے کہا تھا وہ جی اٹھا ہے آؤ یہ جگہ جہاں خداوند پڑا تھا دیکھو اور جلد جا کے اس کے شاگردوں سے کہو کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا ہے اور دیکھو وہ تمہارے آگے جلیل کو جاتا ہے وہاں تم اسے دیکھو گے دیکھو میں نے تمہیں جتا دیا'' (متی باب ۲۸ آیت ۵ تا ۸) یہ بھی لکھا ہے کہ یہود میں یہ مشہور تھا کہ پہرہ داروں کو رشوت دے کر یہ مشہور کیا گیا کہ وہ زندہ ہو کر چلا گیا (متی باب ۲۸ آیت ۱۱ تا ۱۵) اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ پہرہ داروں نے یہی خبر دی تھی کہ مسیحؑ کے شاگرد زبردستی مسیحؑ کو کوٹھڑی میں سے نکال کر لے گئے ہیں مگر چونکہ یہود حضرت مسیحؑ کو لعنتی ثابت کرنا چاہتے تھے انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ پہرہ دار ٹھیک نہیں کہتے ان کو رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کیا گیا ہے کہ وہ یہ کہیں کہ مسیحؑ زندہ ہو کر چلا گیا۔

پھر لکھا ہے مسیحؑ حواریوں پر ظاہر ہوا اور انہیں کہا کہ ''میرے ہاتھ پاؤں کو دیکھو کہ

میں ہی ہوں اور مجھے چھوؤ۔اور دیکھو کیونکہ روح کو جسم اور ہڈی نہیں جیسا مجھ میں دیکھتے ہو اور یہ کہہ کے انہیں اپنے ہاتھ پاؤں دکھائے‘‘(لوقا باب۲۴ آیت ۳۹،۴۰)اسی طرح لکھا ہے۔’’جب وے مارے خوشی کے اعتبار نہ کرتے اور متعجب تھے اس نے ان سے کہا کہ کیا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔تب انہوں نے بھونی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا اور شہد کا ایک چھتہ اس کو دیا اس نے لے کے ان کے سامنے کھایا‘‘(لوقا باب۲۴ آیت ۴۱ تا ۴۳)

یوحنا میں لکھا ہے کہ تھوما حواری نے جب یہ بات سنی کہ حضرت مسیحؑ صلیب سے بچ گئے ہیں تو اسے یقین نہ آیا اور اس نے کہا’’جب تک میں اس کے ہاتھوں میں کیلوں کے نشان نہ دیکھوں اور کیلوں کے نشان میں انگلی نہ ڈالوں اور اپنے ہاتھ کو بھی اس کے پہلو میں نہ ڈالوں ہرگز یقین نہ کرونگا‘‘(باب۲۰ آیت ۲۵)حضرت مسیحؑ نے یہ بات سنی تو انہوں نے تھوما کو کہا۔اپنی انگلی پاس لا اور میرے ہاتھوں کو دیکھ اور اپنا ہاتھ پاس لا اور اسے میرے پہلو میں ڈال اور بے ایمان مت ہو بلکہ ایمان لا‘‘(یوحنا باب۲۰ آیت ۲۷)

ان دلائل سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے متعلق یہی خیال کہ وہ صلیب پر لٹک کر مر گئے بالکل باطل اور بے بنیاد ہے۔بیشک حضرت مسیحؑ کو صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔مگر خدا نے ان کو بچالیا اور اس طرح وہ نشان ظاہر ہوا جس کا انہوں نے قبل از وقت اعلان کر دیا تھا کہ جس طرح یونہ نبی مچھلی کے پیٹ میں زندہ گیا۔زندہ رہا اور زندہ ہی باہر نکلا۔اسی طرح میں بھی صلیب پر سے زندہ اتروں گا۔زندگی کی حالت میں قبر میں جاوں گا اور پھر زندہ ہونے کی حالت میں ہی قبر سے باہر نکلوں گا۔

پھر کفارہ کے خلاف ایک اور دلیل یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ جب صلیب سے بچ گئے تو اس کے بعد وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہے کہ کہیں دوبارہ دشمن ان کو گرفتار کرنے میں کامیاب

نہ ہو جائے۔حالانکہ اگر وہ سچ مچ خدا کے بیٹے تھے یا حواریوں پر حضرت مسیحؑ کی روح ظاہر ہوئی تھی تو روح کو چھپنے کی کوئی ضرورت نہ تھی وہ ہر ایک کے سامنے آتی اور کہتی کہ اگر تم میں طاقت ہے تو مجھے اب مار کر دکھاو۔مگر انجیل اس بات پر گواہ ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد وہ دشمن سے چھپتے پھرے۔پس حضرت مسیحؑ کے متعلق عیسائیوں کا یہ خیال کہ وہ بنی نوع انسان کے گناہوں کے لئے کفارہ ہو گئے تھے شروع سے لے کر آخر تک باطل ہے۔

(تفسیر کبیر جلد 9 صفحہ 184 تا 204)